علّامہ اقبالؒ کی ازدواجی زندگی

حافظ سیّد حامد جلالی

ایجوکیشنل پبلشنگ ہاؤس، دہلی ۶

علامہ اقبالؒ
کی
ازدواجی زندگی

علّامہ اقبالؒ کی ازدواجی زندگی

حافظ سیّد حامد جلالی

ایجوکیشنل پبلشنگ ہاؤس، دہلی ۶

ALLAMA IQBAL KI IZDIVAJI ZINDAGI

BY

HAFIZ SYED AHMED JALALI

1998

سنہ اشاعت ۱۹۹۸ء

تعداد ۶۰۰

قیمت روپے

مطبع ونو آفسیٹ پرنٹرس بلّیماران دہلی ۶

ISBN 81 - 85360 - 62 - 6

ایجوکیشنل پبلشنگ ہاؤس

۳۱۰۸ گلی عزیزالدین وکیل، کوچہ پنڈت لال کنواں دہلی ۱۱۰۰۰۶

بسم اللہ الرحمن الرحیم

سبب تالیف

۴ر فروری ۱۹۶۷ء کے "اخبار خواتین" کراچی میں ایک مضمون بہ عنوان "عطیہ فیضی اور اقبال" گرد و پیش کے باب میں شائع شدہ میری نظر سے گذرا۔ اس مضمون کے مصنّف یا مولف کوئی ڈاکٹر عبدالسلام خورشید صاحب ہیں جن کے نام سے متعارف ہونے کا مجھے پہلا موقع ہے۔ اس مضمون کا لب لباب و ماحصل حسب ذیل ہے۔

اس مضمون میں عطیہ فیضی کی علم دوستی اور فلسفہ جیسے ادق مضمون کے ساتھ ان کی دلچسپی کو سراہا گیا ہے۔ اس میں بتایا گیا ہے کہ عطیہ فیضی برّعظیم کی پہلی مسلمان خاتون ہیں جنھوں نے جدید رجحانات کو اپنایا اور علم جدید کے حصول کے لئے یورپ کا سفر

اختیار کیا۔ شبلی نعمانی اور علامہ اقبال جیسے عظیم دانشوروں سے علمی روابط استوار کئے۔ اور رفتہ رفتہ اقبال کے ساتھ یہ روابط اتنے گہرے ہو گئے کہ اپنے نجی معاملات اور قلبی پریشانیوں کے سلسلہ میں بھی انھوں نے عطیہ بیگم کو اپنے اعتماد میں لے لیا۔

اس مضمون میں عطیہ بیگم کی ایک حسین تصویر بھی چھپی ہے ہمارا خیال ہے اسے یا اس جیسی تصویر کو دیکھ کر ہی شہنشاہ تغزل جگر مراد آبادی نے بے قابو ہو کر فرمایا ہوگا ؎

دل بردا زمن دیر وز شامے
فتنہ طرازے محشر خرامے
عارض چہ عارض گیسو چہ گیسو
صبح چہ صبحے شامے چہ شامے

اور ساغر مراد آبادی کی قلم سے نکلا ہوگا ؎

دل کی دنیا ہلتی ہے رو کو اپنی نظروں کو
یہ کافر لوٹے لیتی ہیں آج تجلی خانہ بھی

علمی روابط کی استواری کے لئے جب شبلی جیسے پاکیزہ فطرت، علم و فضل، ذہانت و فطانت کے عظیم پیکر کو اپنے قصر معلیٰ واقع جزیرہ جنجیرہ میں عطیہ نے مدعو کیا تو وہاں کی رنگین فضا دیکھ کر وہ اس قدر مسحور ہوئے کہ خیال روزہ و فکر وضو سب کچھ بھلا بیٹھے اور زبان حال سے گویا ہوئے ؎

خوشا رندی کہ پامالش کنم صد پارسائی را
زہے تقوی کہ من باجبہ و دستار می رقصم

(ناصر جلالی)

اور زبان قلم سے فرمایا ؎

کسی کو یاں خدا کی جستجو ہو گی تو کیوں ہو گی
خیال روزہ و فکر وضو ہو گی تو کیوں ہو گی
جو دو دن بھی بسر کرلے گا اس قصر معلیٰ میں
اسے خلد بریں کی آرزو ہو گی تو کیوں ہو گی

(شبلی)

یاد صحبت ہائے رنگیں جو جزیرہ میں رہیں
وہ جزیرہ کی زمیں تھی یا کوئی میخانہ تھا
لطف تھا، ذوق سخن تھا، صحبت احباب تھی
مطرب و رود و سرود و ساغر و پیمانہ تھا

(شبلی)

عطیہ لندن میں تعلیم پا رہی تھیں اور اقبال کیمبرج میں۔ عطیہ اپنے سفر کی ڈائری کی وجہ سے اور اپنے صوری و معنوی محاسن کی وجہ سے ایسی نہ تھیں کہ ان کا چرچا ہندوستانی طلبہ میں نہ ہو۔ اقبال کے کان بھی آشنا ہوئے ہوں گے، اس لئے اقبال نے مس بیک کے ذریعہ جن کا گھر ہندوستانی طلبہ کا ملجا و ماویٰ تھا عطیہ سے ملاقات کی۔

فریقین کی صلاحیتوں اور قابلیتوں نے ایک دوسرے کا گرویدہ بنایا۔ دونوں طرف سے ایک دوسرے کے اعزاز میں دعوتوں کے تبادلے ہوئے اور مختلف عنوانات پر بحث و تمحیص کے مواقع بہم ہوئے اور تعلقات استوار ہوئے۔ عطیہ جب جرمنی گئیں تو ہائیڈل برگ کے اساتذہ کی صحبت میں دونوں نے ایک ساتھ دس دن بسر کئے۔ بے تکلفی کی نوبت یہاں تک پہنچی کہ ایک دفعہ جبکہ پک نِک پر جانے کی تیاری تھی تو اقبال پر استغراقی کیفیت طاری ہوئی اور وہ بے حس و حرکت اور ماحول سے بے خبر خلا میں گھور رہے تھے اور کسی کو جرأت نہ تھی کہ ان کے قریب جائے، تو عطیہ بیگم نے ہی ان کے کندھے پکڑ کر انھیں جھنجھوڑا اور انھیں ہوش میں لائیں۔

وہ جب وطن واپس آ گئیں تو اقبال نے خط و کتابت جاری رکھی اور میونخ سے انھیں یہ نظم بھی ارسال کی جس کا پہلا شعر یہ ہے ؎

گفتگو جس گل کی تڑپاتی تھی اے بلبل مجھے
خوبیٔ قسمت سے آخر مل گیا وہ گل مجھے

نظم کے خاتمہ کے بعد صاحب مضمون نے لکھا ہے کہ:

"اقبال اپنی پہلی ازدواجی زندگی سے مطمئن نہ تھے۔ اس کا ذکر کرتے ہوئے انھوں نے عطیہ بیگم کو لکھا۔ میری خواہش یہ ہے کہ جہاں تک ہو سکے جلد اس ملک سے بھاگ جاؤں، اس کی وجہ تم کو

معلوم ہے مجھے صرف اس چیز نے روک رکھا ہے کہ میں اپنے بھائی کے احسانات سے بے حد زیر بار ہوں۔ میری زندگی نہایت مصیبت ناک ہے یہ لوگ زبردستی میری بیوی کو میرے سر چپکانا چاہتے ہیں میں نے اپنے والد محترم کو لکھدیا ہے کہ انھیں میری شادی کر دینے کا کوئی حق نہ تھا۔ خصوصاً جس حالت میں مَیں نے انکار کر دیا تھا۔ میں بیوی کو نان نفقہ دینے پر آمادہ ہوں لیکن میں اسے اپنے پاس رکھ کر اپنی زندگی کو عذاب بنانے کے لئے تیار نہیں ہوں اگر معاشرہ یا فطرت میرے اس حق سے انکار کریں گے تو میں ان دونوں کے خلاف بغاوت کروں گا۔ میرے لئے صرف ایک ہی چارہ ہے کہ میں اس بدبخت ملک کو ہمیشہ کے لئے چھوڑ دوں یا مے خواری میں پناہ ڈھونڈوں جس سے خودکشی آسان ہو جاتی ہے۔ کتابوں کے مردہ بے جان اور بنجر اوراق مسرت نہیں دے سکتے اور میری روح کے اعماق میں اس قدر آگ بھری ہوئی ہے کہ میں ان کتابوں کو اور ان کے ساتھ ہی معاشری رسوم و روایات کو بھی جلا کر خاکستر بنا سکتا ہوں - ۹ - اپریل ۱۹۰۹ء۔ عطیہ نے ایک دوست کی حیثیت سے ان سے ہمدردی کا اظہار کیا اور مشورہ دیا کہ وہ اپنے دوست شیخ عبدالقادر سے بات کریں۔ اس پر اقبال نے لکھا میں عبدالقادر سے اکثر ملتا ہوں اور چیف کورٹ کے بار روم میں تو ان سے تقریباً روزانہ ہی ملاقات ہو جاتی ہے، لیکن ہم دونوں کے درمیان مدت دراز سے تمہارا ذکر

نہیں آیا اور حقیقت یہ ہے کہ اب تو میں دوسروں سے بہت ہی کم بات چیت کرتا ہوں۔ میرا بدبخت نفس خود ہی ایسے مصیبت ناک خیالات کا معدن بنا ہوا ہے جو میری روح کے تاریک و تار گوشوں سے سانپوں کی طرح رینگتے ہوئے نکلتے ہیں۔ میرا خیال ہے کہ میں عنقریب سپیرا بن کر گلیوں میں گھوما کروں گا۔ اور میرے پیچھے پیچھے لونڈوں کا ایک گروہ تماشا دیکھنے کے لئے چلا کرے گا۔ مجھے تم یاس پرست نہ سمجھو۔ سچ یہ ہے کہ غم بے حد لذیذ شے ہے۔ میں اپنی بدقسمتی سے لطف اٹھا رہا ہوں اور ان لوگوں پر قہقہے لگا رہا ہوں جو اپنے آپ کو خوش و خرم سمجھتے ہیں۔ دیکھا میں اپنی مسرت کو کس طرح چھپاتا ہوں۔ ۱۷ر اپریل ۱۹۰۹ء"۔

"یہ خط و کتابت اصلاً ۱۹۱۱ء کے آخر میں ختم ہوگئی۔ ۱۹۱۲ء میں صرف ایک چھوٹا سا خط لکھا اور بس۔ ۱۹۱۳ء میں اقبال کی وہ شادی ہوئی جس نے انھیں حقیقی آسودگی بخشی"۔

یہ پورا مضمون پڑھنے والا اندازہ کر سکتا ہے کہ اس مضمون کے لکھنے والے نے عطیہ فیضی کا تعارف کرانے کے لئے کسی تحقیق کی زحمت گوارا نہیں کی وہ خود واقف نہیں کہ عطیہ کون تھیں اور کیا تھیں۔ اس نے انھیں نواب صاحب جنجیرہ کی بیٹی بتایا ہے حالانکہ نواب صاحب ان کے بہنوئی تھے باپ نہ تھے۔ جب وہ خود کسی سے واقف نہیں تو اس نے اُن کا تعارف کرانے کی

ذمہ داری معلوم نہیں کیوں اپنے سر لی: ؏

او خود گم است کرا رہبری کند

شبلی کا حال شبلی کی غزلیں اور اقبال کی نظم ایسی ترتیب سے مضمون ہذا کا جزو بنائی گئی ہیں کہ پڑھنے والا ان تینوں کے بارے میں جبکہ وہ دنیا سے اپنی اپنی بیش بہا خدمات انجام دیکر رخصت ہو چکے ہیں۔ اخلاقی نقطہ نظر سے کوئی اچھی رائے قائم نہیں کر سکتا۔

ہم سمجھنے سے قاصر ہیں کہ صاحب مضمون نے قاریات "اخبار خواتین" کو کیا سمجھایا۔ اس نے ان تینوں بزرگوں کی عزت کو دوبالا کیا ہے یا ان کی عزت کو بٹہ لگایا ہے۔ اور ناظرات اخبار مذکور کو کونسا علمی ادبی اور اخلاقی درس دیا ہے۔ عنوان کی سرخی کا اقتضاء صرف یہ تھا کہ عطیہ اور اقبال کے روابط کا اظہار کر دیا جاتا۔ غریب شبلی کے ناگفتہ بہ حال کا ذکر کر کے ناحق کیوں رسوا کیا۔ اقبال اور عطیہ کے روابط کے ثبوت کے لئے اور بھی خطوط موجود تھے اس خط کو اور صرف اس خط کو کیوں منتخب کیا جس میں اقبال کی بھی بدنامی ہو اور ان کی معصوم بیوی کی غم انگیز داستان کا اشتہار بھی ہو جو اس بیوی کی اولاد اور دیگر متعلقین کے لئے دل آزاری کا موجب ہو۔

مکاتیب اقبال یا اقبالنامہ کے مہذب مولف نے بھی عطیہ اور اقبال کے تعلق کو بے شک ظاہر کیا ہے۔ آخر عطیہ کے نام کے

خطوط شائع کرنے سے پہلے اپنے موضوع کے تقاضے سے مجبور ہو کر اسے ایسا کرنا ضروری تھا، لیکن اس شدّت مجبوری کے باوجود اس خط کے سلسلہ میں اس نے صرف اتنا لکھنا کافی سمجھا کہ یہاں اقبال نے اپنی ایک خانگی پریشانی کا ذکر کیا ہے، نہ بیوی کا نام لیا نہ اس کی طرف اور کوئی اشارہ کیا۔

محترم ضیاء الدین احمد برنی جنھوں نے عطیہ کے نام کے خطوط کا اور عطیہ کی ڈائری کا ترجمہ شائع کیا ہے۔ انھوں نے بھی صرف لفظی ترجمہ پر اکتفا کیا ہے اور اصل خط کا چربہ بھی شائع کر دیا ہے۔ بلکہ صاحب روزگار فقیر نے بھی ان کی بیوی اور ان کی اولاد کے مختصر ذکر پر ہی قناعت کی ہے۔ یہ بات دوسری ہے کہ اس غریب بیوی کے علاوہ ہر بیوی کا اور اس کے بچّہ بچّہ کا اور بھائی بھتیجے کا پرو پیگنڈا کرنا اپنا مقصد اعلیٰ اور فرض جانا ہے۔ اس مضمون نویس نے ترجمہ خطوط میں بھی کتر بیونت کی ہے۔ اس نے علامہ اقبال کی طرف منسوب کر کے اپنے مضمون میں لکھا ہے:

"میں اپنے بھائی کے احسانات سے بے حد زیر بار ہوں"

حالانکہ علامہ کے اصل خط میں ہے:

I AM A SORT OF MORALDEBIT TO MY BROTHER

جس کا ترجمہ ہے۔ "میں اپنے بھائی کا ایک قسم کا اخلاقی قرضدار ہوں" جیسا کہ برنی صاحب نے کیا ہے۔

علامہ کے بھائی کا علامہ کو اس مبالغہ کے ساتھ زیر بار احسان بتانا، عطیہ کے نام کے خطوط میں سے صرف اس خط کا انتخاب کرنا، غمازی کرتا ہے کہ مضمون محولہ بالا کے مصنف کی نیت بخیر نہیں ہے۔ اس کا اصل مقصد عطیہ اور اقبال کے ربط ضبط کا حال بیان کرنا نہیں ہے بلکہ وہ کسی کو اونچا کرنا چاہتا ہے اور کسی کو رسوا کرنا چاہتا ہے۔

مضمون متنازعہ میں یہ حصہ یقیناً زائد از ضرورت ہے۔ اصل عنوان پر روشنی ڈالنے کے لئے اس حصہ کے اضافہ کی مطلق ضرورت نہ تھی۔

ہمارے نزدیک اس غریب و شریف بیوی کی بدنامی اور اس کی صابر و شاکر اولاد کی دل آزاری کے لئے نامنصفوں اور غرض پرستوں کا یہ قدم حد سے بڑھ گیا ہے جو ہمارے لئے بھی شدید روحی تکلیف کا موجب ہوا اور ہمارے لئے ضروری ہوا کہ اصل حالات کی نقاب کشائی کریں: ع

دل ہی تو ہے نہ سنگ وخشت درد سے بھر نہ آئے کیوں

مضمون متنازعہ سے جو نتیجہ ہم نے اخذ کیا ہے ممکن ہے اس کی صداقت میں کسی کو کلام ہو تو شک کرنے والے حضرات کو چاہئے کہ "اخبار خواتین" مورخہ ۲۹۔ اپریل ۱۹۶۷ء کا گردوپیش ملاحظہ فرمائیں، جس کا عنوان ہے "مجھے مسرت کے حصول کا حق حاصل ہے"۔

اس اشاعت میں اُن ہی ڈاکٹر عبدالسلام صاحب نے ایک بار پھر اسی مضمون کا اشتہار دیا ہے اور اپنے مضمون کے اصل مقصد کو جسے وہ اپنے پہلے مضمون میں مبہم طور پر بیان کر چکے ہیں کھلے الفاظ میں واضح فرمایا ہے اور اس میدان میں قدم اور آگے بڑھایا ہے۔ اس مضمون میں علامہ اقبال کی پہلی بیوی کو ایک عام قسم کی عورت قرار دیا ہے اور ان کے بیٹے آفتاب اقبال کو لکھا ہے کہ ان کے تعلقات اپنے والد سے ہمیشہ ناخوشگوار رہے۔

نیز اس مضمون میں لکھا ہے کہ۔ "شادی کئے سولہ سال گذر گئے لیکن اختلافات کی خلیج تھی کہ وسیع تر ہوتی چلی گئی۔ والدین اور بڑے بھائی نے بہت جتن کئے کہ فریقین میں مفاہمت ہوجائے، لیکن اقبال نہ مانے کیونکہ اس کشیدہ زندگی نے ان میں ایک ایسا کرب پیدا کر رکھا تھا جسے دور کرنا ان کے بس کا روگ نہ تھا۔"

آگے انھوں نے پہلے مضمون والا عطیہ کے نام اقبال کا خط یہاں پھر دہرایا ہے۔ اس کے بعد والدۂ جاوید کے ساتھ نکاح کا افسانہ بیان کیا ہے پھر اس منکوحہ کو چھوڑ کر تیسری شادی کا ذکر کیا ہے اور والدۂ جاوید کے مشتبہ کیریکٹر کا اعلان کر کے اس کی صفائی کی ہے۔ اور ان کے ساتھ دوبارہ نکاح

پڑھوایا ہے حالانکہ طلاق ثابت نہیں کی ہے۔ پہلے نکاح کو نامعلوم وجوہ کی بنار پر مشکوک قرار دیا ہے۔ اس کے بعد جاوید کے محاسن کا قصیدہ پڑھ کر مضمون کو ختم کیا ہے۔

بس یہی وہ پروپیگنڈہ ہے جس نے ہمیں رسالۂ ہٰذا کے لکھنے پر مجبور کیا۔ ہم چاہتے ہیں کہ اقبال کی گھریلو زندگی پر اور خاندانی حالات پر مختصر طور پر روشنی ڈالیں اور بتائیں کہ اُن کے والدین کی کیا شان تھی، ان کے بھائی کا ان کی بیوی اور بچوں کے ساتھ کیسا سلوک تھا اور علامہ اقبال کی پہلی بیوی کس قدر عظمت اخلاق اور ذی عزّت خاندان کی مالک تھیں۔ اور ان کے بڑے بیٹے آفتاب اقبال کن کن خصوصیات کے حامل ہیں اور خود علامہ اقبال کا اپنی پہلی بیوی اور بچہ کے معاملہ میں موقف کیا تھا اور ان کا یہ موقف شرعی نقطۂ نظر سے، انسانیت اور شرافت کے اعتبار سے کیا حیثیت رکھتا تھا ان کی تعلیم کیا تھی۔ ان کا کردار کیا تھا اور ان کا مقام بلند کس حد تک اس موقف کے ساتھ مناسبت رکھتا تھا اور ان کے خاندانی شکوہ اور ذاتی سج دھج کے لائق اُن کی تینوں بیویوں میں سے کونسی بیوی تھیں۔

اقبال کا خاندان

باغ ارم کشمیر کے کسی قریہ میں کسی زمانہ میں ایک خاندان دودمان سکونت پذیر تھا۔ نظر رحمت پروردگار اس پر پرتو فگن ہوئی۔ اور اس نے بت پرستی کے جال سے نکل کر اسلام کے آغوش میں پناہ لی اور طاغوتی ہتھکنڈوں سے اپنے آپ کو بچانے کے لئے اس اولوالعزم خاندان نے ترک مذہب کے ساتھ ترک وطن کرنا بھی ضروری جانا اور اسلام پاک کے نام پر لالہ زار کشمیر کو سیالکوٹ کے اسلام خیز طبقہ پر قربان کر دیا اور ہمیشہ کے لئے وہیں کی سکونت اختیار کر لی۔ یہ نئی تبدیلی پختہ ہو گئی یا حلاوت ایمانی جب کئی پشتوں کے دلوں میں رچ گئی اور غیر اللہ کی پرستش کی بوباس کا کلی طور پر استیصال ہو گیا تو رحمت باری نے ایک بار پھر اس مہاجر اور مجاہد خاندان پر اپنے کرم کی بارش کی اور (غالباً ۱۸۳۷ء کی) کسی مبارک ساعت میں ایک با اقبال فرزند اسے عطا کیا اور اس کے قلب و روح کی پاکیزگی کے مطابق اسے نور محمدؐ کے مبارک نام سے سرفراز کیا۔

شیخ نور محمد صاحب علم ظاہری کی دولت سے کما حقہٗ مالامال

نہ تھے، لیکن علم لدُنی کا خزانہ تھے۔ علماء و اصفیاء کی پاک صحبت
نے ان کے مس خام کو کندن بنا دیا تھا۔ وہ متقی و متورع تھے۔
وہ زاہدِ شب زندہ دار تھے۔ ہوا و ہوس کے طوفان سے اور
شیطانوں کی شیطنت سے اپنے پاکیزہ بیٹے کو بچانے کے لئے مقدس
والدین نے اپنے معیار کے مطابق عین عنفوان شباب میں نور محمدؒ کی
شادی کر دی اور ایزد اقدس و اکبر نے بحکم الطیبات للطیبین ایک
پاکیزہ صورت و سیرت کی مالک بیوی عطا کر دی۔

دونوں میاں بیوی کی زندگی صحابہؓ و امہات المومنین کے
اسوۂ پاک کی تقلید کا بہترین نمونہ تھی۔ اکل حلال و صدق مقال
ان کے کردار و سیرت کی بنیاد تھا۔ عبادت و ریاضت ان کی زندگی
کا محبوب مشغلہ تھا۔ خشیت الٰہی سے ہمہ وقت ترساں و لرزاں رہنا
حرص و ہوس سے گریزاں ہونا قناعت و استغنا اختیار کرنا ان
کا شعار تھا۔ بیوی کے زہد و تقویٰ کی ایک مثال حسب ذیل ہے۔

نور محمدؒ صاحب کسی افسر کے ہاں ملازم تھے۔ بیوی کو تحقیق
نہیں صرف وہم ہوا کہ یہ سرکاری افسر شاید رشوت لیتا ہو۔ اس
لئے ان کا معمول تھا کہ شوہر کی ہر مہینہ جب تنخواہ آتی تھی تو
وہ اس روپے کو جب تک بدل نہ لیتی تھیں کام میں نہ لاتی تھیں
اسی کا نام تقوی سے بڑھ کر تورع ہے۔ شیخ نور محمدؒ صاحب
کے بارے میں سر عبدالقادر ایڈیٹر مخزن جیسے مبصر و نکتہ رس نے

فرمایا ہے کہ اقبال کے والد ایک صوفی منش بزرگ تھے، مگر ان کا
رنگ تصوف ایسا نہ تھا کہ انھیں رہبانیت کی طرف مائل اور زندگی
کے فرائض سے بے پرواہ کر دے۔ ساری عمر زور بازو سے کمایا اور
ہر آن دل خدا کی طرف لگایا۔ "دل بہ یار دست بکار" پر ان کا صحیح
معنی میں عمل تھا۔

عین عنفوان شباب میں نور محمد صاحب کو اللہ عزوجل نے
ایک فرزند عطا فرمایا جس کا نام انھوں نے عطا محمد رکھا۔

شیخ نور محمد صاحب کے معمولات

حضرت شیخ کا معمول تھا
کہ تقریباً ۲ بجے رات کو
بیدار ہو جاتے تھے۔ حوائج سے فارغ ہو کر نماز تہجد ادا کرتے اور
پھر تا بوقت اذان صبح تلاوت کلام پاک میں مشغول رہتے۔ بعد
نماز صبح قبرستان تشریف لے جاتے فاتحہ خوانی کے بعد واپس
گھر تشریف لاتے، پھر ناشتہ فرماتے اور اس کے بعد دینی
رسائل علی الخصوص رسالہ "نظام المشائخ" پڑھتے اور آفتاب اقبال
صاحب کو اپنے پاس بٹھاتے جو انھیں بہت عزیز تھے۔ نظام المشائخ
کے مضامین علی العموم دینی اور صوفیانہ ہوتے تھے جو ان کے فطری ذوق
کے ساتھ مطابقت رکھتے تھے۔ جناب شیخ خود بھی ان سے لطف اندوز ہوتے
تھے اور آفتاب صاحب کی سمجھ کے مطابق جگہ جگہ سے اس کا مفہوم انھیں
بھی سمجھاتے تھے۔ ہندوستان کے اطراف و جوانب سے بیسیوں رسالے

اور اخبارات حضرت علامہ کے نام پر بذریعہ ڈاک موصول ہوتے تھے
اور حضرت شیخ کے مطالعہ سے گذرتے تھے۔ اپنے فرزند رشید علامہ اقبال
کا کلام خوب سمجھتے تھے اور اپنے پوتے آفتاب اقبال کے سامنے موقع بہ موقع
اس کی تشریح بھی فرمایا کرتے تھے۔
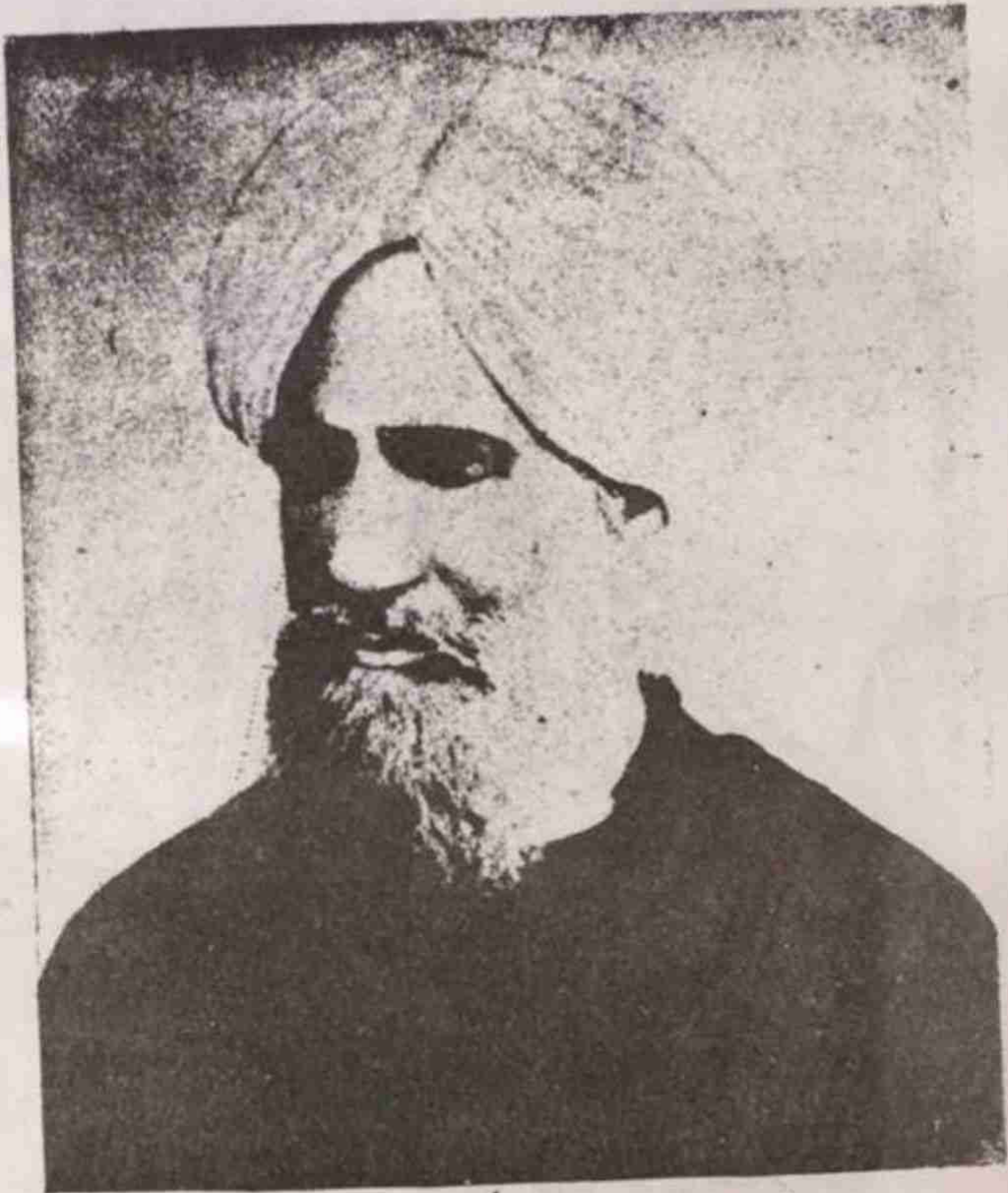
پدر و مرشد علامہ اقبال، شیخ نور محمد صاحب رحمۃ اللہ علیہا

والدہ ماجدہ حضرت علامہ اقبال رحمۃ اللہ علیہا

شیخ نور محمدؒ صاحب کا خاندان "سپروؔ" کے لقب سے ملقب تھا۔ مشہور زمانہ ہندو ادیب سر تیج بہادر سپرو بھی اسی سلسلہ کی ایک کڑی ہیں جو اس خاندانی خصوصیت کی بنا پر علامہ اقبال سے محبت کرتے تھے۔ کہتے ہیں سپرو در اصل "سب پڑھو" تھا کثرت استعمال سے (پ ڑھ حذف ہوگئی اور ب پ سے بدل گئی اور) سپرو بولا جانے لگا۔ جس سے نتیجہ نکالا جا سکتا ہے کہ نسلاً علامہ اقبال ایک علمی خاندان سے تعلق رکھتے تھے اور سب سے اونچی ذات برہمن ہندوؤں میں ہے اسی کے ایک فرد تھے۔ چنانچہ ایک فلسفہ زدہ سید زادے کو خود لکھتے ہیں ؎

میں اصل کا خاص سومناتی
آبا مرے، لاتی و مناتی
تو سید ہاشمی کی اولاد
میری کفِ خاک برہمن زاد

جب عطا محمد پیدا ہوئے تو شیخ نور محمدؒ صاحب کی عمر تقریباً ۲۳ سال تھی۔ عطا محمد صاحب کا سال پیدائش ۱۸۶۰ء ہے۔ ۲۳ سال کی عمر کے حصہ میں (بلکہ بیس سے ۴۰ سال تک) عام طور سے اخلاط میں ہیجان برپا ہوتا ہے۔ عقل خام ہوتی ہے ہر قدم پر لغزش مستانہ کا امکان قریب ہوتا ہے۔ لہٰذا خاندان کو

عزّت اور اقبال بخشنے والا اقبال اس عہد میں بھلا کیوں جنم لیتا۔ اس نے توقف کیا یہاں تک کہ شیخ نور محمدؒ صاحب کی خرد نے پختگی، توانائی اور سلامتی حاصل کرلی اور ان کا اخلاقی حسن نقطۂ عروج پر پہنچ گیا تو اللہ عزّ و جل نے انھیں اقبال عطا فرمایا۔ شیخ صاحب کی عمر اس وقت تقریباً چالیس سال تھی اور ۱۸۷۳ء یا بروایتے ۱۸۷۷ء تھا۔

اقبال کی پرورش

اقبال کی خوش نصیبی کا کیا ٹھکانا، نیک ماں کی گود میں پرورش پائی۔ گفتار کی صداقت، کردار کی بلندی، اہلِ فقر سے محبت، اہلِ دولت سے بے نیازی، غیرت، جرات، صبر، قناعت، خدا ترسی اور عشقِ رسول صلی اللہ علیہ وسلم کے اسباق اس ذہانت و فطانت کے حسین پیکر نے اپنے گھر میں پڑھے جو اس کی گھٹی میں ملے اور بنیاد میں پڑے۔

اقبال کی تعلیم

گھر کا ماحول، گھر کی تعلیم خالص مذہبی تھی بلکہ عالمانہ و صوفیانہ تھی۔

شیخ نور محمدؒ صاحب نے اپنی شان کے مطابق اقبال کو مذہبی سانچہ میں ڈھالنے کے لئے ایک بہترین اتالیق کا انتخاب کیا۔ یہ اتالیق تھے مولوی میر حسن صاحب جو عالی نسب بھی تھے جامع علوم بھی تھے، شریعت کے عالم و عامل، طریقت میں کامل تھے۔

علم دوست تھے۔ خوشنویس بھی تھے، خوش تقریر بھی تھے شاعر بھی تھے انشاپرداز بھی تھے مرتب اور مہذب بھی تھے اور شیخ نور محمدؒ صاحب کے ذاتی دوست بھی تھے۔

فاضل استاد نے قابل شاگرد کو کتب متداولہ کے درس کے علاوہ شریعت کے گر سکھائے، طریقت کے رموز سے آگاہ کیا، مقام خدا و مقام محمد سے آشنا کیا اور اصل مذہب کی علماً و عملاً روح پھونکی۔

بلاشبہ یہ بھی اقبال کی خوش نصیبی تھی جو ایسے استاد ملے اور گستاخی معاف یہ استاد کی بھی خوش اقبالی تھی جو اُنھیں ایسا شاگرد ملا جس نے اُنھیں عالِم سے شمس العلماء بنایا اور نہ صرف خود نیکنامی و شہرت کے آسمان پر آفتاب بن کر چمکا بلکہ اپنے خاندان کے ساتھ اپنے استاد کے نام کو بھی چمکایا۔ مذہبی عقائد و اعمال کی صحیح تعلیم حاصل کرنے کے بعد اقبال اسکول میں داخل ہوئے۔

اقبال کی شادی

ابھی اقبال کی عمر بیس سال کی بھی نہ تھی کہ شیخ نور محمد صاحب نے اپنے حسن انتخاب سے ایک عظیم المرتبت خاندان میں ان کی شادی کر دی۔ یہ شادی غالباً ۱۸۹۳ء میں ہوئی۔ اقبال کی یہی پہلی بیوی ہیں جن کے سر پر ہاتھ رکھ کر، اپنی بہو بنا کر ان کے والد محترم شیخ نور محمدؒ صاحب اور اُن کی والدہ ماجدہ اپنے گھر لائی تھیں۔ یہی اور صرف یہی بیوی تھیں

جوان کے والدین کے سایۂ عاطفت میں رہیں۔ یہ مقدس بیوی سرزمین حجاز میں پیدا ہوئیں اور دس سال تک اپنے والد بزرگ کے ہمراہ وہیں قیام پذیر رہیں اور بار ہا حج کرنے کا شرف اُنھیں حاصل ہوا۔ ان بیوی کی اور علامہ کی خوشدامن کی دوسری زبان عربی تھی۔ ماں بیٹیاں بے تکان عربی بولتی تھیں۔ قابل باپ نے شریفانہ پردہ کی قید کے اندر دینی تعلیم کے زیور سے اپنی بیٹی کو خوب آراستہ کیا تھا۔ یہ بیوی صبر و شکر اطاعت گذاری اور سلیقہ شعاری میں اپنا جواب نہ رکھتی تھیں۔ ان کا نام نامی کریم بی بی تھا۔

علامہ اقبال کے خسر

کریم بی بی خان بہادر الحاج الحافظ ڈاکٹر شیخ عطا محمد صاحب کی بڑی بیٹی تھیں۔ خان بہادر ڈاکٹر عطا محمد صاحب ایک معزز کشمیری خاندان کے ہیرو تھے۔ گجرات، (پنجاب) میں ۱۸۵۹ء میں پیدا ہوئے۔ خان بہادر نے قرآن کریم حفظ کرنے کے بعد دینی رسمی علوم کی تکمیل کی اور اس کے بعد ڈاکٹری میں کمال حاصل کیا۔ میڈیکل آفیسر، سول سرجن وغیرہ کے ممتاز عہدوں پر مامور رہے۔ چیف میڈیکل آفیسر کی حیثیت سے ریاست مالیر کوٹلہ میں قیام پذیر رہے۔ وائس برٹش کونسل کی حیثیت سے کامران اور جدہ میں آپ کا قیام رہا۔ دس برس کی طویل مدّت تک سرزمین عرب میں اسی عہدۂ جلیلہ پر آپ فائز رہے۔ فزیشن اور سرجن کی حیثیت سے

آپ نے ایسی گراں قدر خدمات انجام دیں کہ آپ کو ملکۂ وکٹوریہ نے گولڈ میڈل عطا فرمایا۔ ابھی آپ کی عمر صرف ۲۹ سال کی تھی کہ آپ کو خطاب خان بہادر سے سرافراز کیا گیا۔ ۱۸۹۹ء میں آپ کو وائسرائے آف انڈیا کا آنریری سرجن مقرر کیا گیا۔ دو سال تک آپ انڈین میڈیکل ایسوسی ایشن کے صدر رہے۔ ان دنیوی اعزازوں کے ساتھ آپ نہایت متقی پرہیزگار بزرگ تھے۔ میانوالی جیسے اجڈ پٹھانوں کے علاقہ میں آپ اپنے محاسن اخلاق کے باعث بے حد ہر دلعزیز تھے۔ جنوبی پنجاب کے علاقہ میں آپ کے زہد و تقویٰ، خیر خیرات کا آج بھی چرچا ہے۔ میانوالی کے ضلع میں بحیثیت سول سرجن آپ کی ذات گرامی مرجع خاص و عام تھی۔ ۱۹۱۰ء میں آپ یہیں سے ریٹائرڈ ہو گئے۔

خان بہادر کے معمولات

ہفتہ میں ایک بار آپ کے ہاں دیگیں چڑھتی تھیں۔ کھانے پکتے تھے اور غرباء کو کھلائے جاتے تھے۔ ان غرباء کے ساتھ آپ خود بھی شریک طعام ہوتے تھے۔ روزانہ مغرب و عشاء کی نماز آپ کی سرکاری قیام گاہ (بنگلہ) پر اذان اور جماعت کے ساتھ پڑھی جاتی تھی ان نمازوں میں آپ بذات خود نہایت پابندی کے ساتھ شرکت فرماتے تھے۔

غرباء کی خدمت علاج معالجہ دوا دارو سے بھی آپ کرتے تھے۔

اور اپنی جیب خاص سے زر نقد بھی محتاجوں اور ضرورتمندوں میں تقسیم کرتے تھے۔ آپ کی وفات کے بعد آپ کی میز کی دراز سے ایک فہرست نکلی جس میں ۳۱ بیواؤں کے نام۔ پتے اور رقم وظیفہ درج تھی۔ ان بیواؤں کو آپ ہر ماہ پابندی کے ساتھ اس طرح وظائف دیا کرتے تھے کہ کسی کو آپ کی زندگی میں آپ کی اس جود و عطا کی خبر تک نہ ہوئی۔

آپ باوجود متمول اور معزز ہونے کے مکمل درویش تھے اور یہ درویشی آپ میں اور شیخ نور محمدؒ صاحب میں صفت مشترک کی حیثیت رکھتی تھی۔ جس کے باعث آپ نے اپنی عزیز ترین بیٹی شیخ نور محمدؒ صاحب کے لائق ترین فرزند علامہ ڈاکٹر سر محمد اقبال کے عقد نکاح میں دی تھی۔ بلاشبہ شیخ نور محمدؒ صاحب مال و دولت۔ عزت و حشمت۔ علم و فضل اور شہرت کے اعتبار سے خان بہادر کی ٹکر کے نہ تھے، لیکن اپنی نیکی وضعداری اور شرافت ذاتی کے اعتبار سے بڑی پسندیدہ شخصیت کے مالک تھے اس زمانہ میں لوگ نیکی اور شرافت کے قدرداں تھے دولت کوئی چیز نہ تھی۔ دونوں سمدھی روحانیت کے رشتہ میں اس رشتہ سے پہلے منسلک تھے اور زندگی بھر ایک دوسرے کے ساتھ برادرانہ مخلصانہ شریفانہ برتاؤ کرتے رہے۔ حضرت علامہ نے بھی اپنے معزز خسر کی ہمیشہ تعریف کی۔

خان بہادر ڈاکٹر شیخ عطا محمدؒ صاحب نے ۱۹۲۳ء میں بعمر ۶۳ سال انتقال فرمایا۔ اِنَّا لِلّٰہِ وَاِنَّا اِلَیْہِ رَاجِعُوْن ۰

علامہ اقبال کے خسر
الحاج الحافظ خان بہادر ڈاکٹر شیخ عطا محمد سول سرجن ریٹائرڈ

شیخ نور محمد صاحب کی پہلی بہو، والدۂ آفتاب اقبال

محترمہ کریم بی بی بنت خان بہادر شیخ عطا محمد مرحوم
زوجۂ اولی حضرت علامہ اقبال
(بہ عمر ۷۰ سال - وفات سے چار روز قبل)

کیپٹن غلام محمدؒ، برادر نسبتی علامہ سر محمد اقبال رحمۃ اللہ علیہ۔

ڈاکٹر شیخ عطا محمد صاحب کی لڑکیاں تو اور بھی تھیں، لیکن لڑکا ایک تھا۔ غلام محمد نام تھا۔ نہایت سعادت مند اور بے حد قابل۔ پہلے آپ نے مروجہ تعلیم ہندوستان میں حاصل کی پھر آپ کو میڈیکل تعلیم اور میڈیکل ریسرچ کیلئے لیورپول انگلینڈ بھیج دیا گیا۔ لندن سے فارغ التحصیل ہونے کے بعد آپ کو آئی۔ایم۔ایس میں لے لیا گیا۔ اور پھر پہلی جنگِ عظیم میں آپ کو فرانس بھیج دیا گیا۔ جہاں سے آپ بہ حالت بیماری وطن واپس ہوئے اور راولپنڈی ملٹری ہسپتال میں آپ کا تقرر عمل میں آیا۔ پھر بیماری نے جب شدّت اختیار کی تو آپ کو اسی ہسپتال میں داخل کر دیا گیا۔ جہاں عین عالم شباب میں (یعنے صرف ۲۹ سال کی عمر میں) آپ راہیے ملک بقا ہوئے۔ اِنَّا لِلّٰہِ وَاِنَّا اِلَیْہِ رَاجِعُوْن ط

پھول تو دو دن بہار جانفزا دکھلا گئے
حسرت ان غنچوں پہ ہے جو بن کھلے مرجھا گئے

کیپٹن غلام محمدؒ کی سعادت مندی کا ایک واقعہ جوان کے خاندان میں ہر ایک کی زبان پر ہے، یہ ہے کہ ان کی والدہ جب ان پر خفا ہوتیں تو وہ نیچی نظر کر کے کھڑے ہو جاتے۔ جب والدہ زیادہ خفا ہوتیں تو ایسی حالت میں اُن کی آنکھوں سے

آنسو جاری ہو جاتے۔ مہر سکوت برلب رہتے۔ کبھی اپنی ماں کو جواب نہ دیتے۔ حالانکہ جوان تھے۔ شادی شدہ تھے۔ یورپ سے قابلیت کی سند لائے تھے۔ بڑے عہدۂ سرکاری پر مامور تھے۔ اکلوتے تھے۔ قابل باپ کے قابل بیٹے تھے۔

کیپٹن شیخ غلام محمد صاحب آئی ایم ایس، برادر نسبتی علامہ اقبال رحمۃ اللہ علیہما

مختصر یہ کہ علامہ کی یہ تھی پہلی بیوی ۔ اور سسرال کے افراد اس شان کے مالک تھے ۔ علامہ کے لئے یہ انتخاب ان کے والدِ بزرگ کا تھا جو صاحبِ بصارت بھی تھے اور صاحب بصیرت بھی۔ کیا اس بیوی کو عام قسم کی رفیقۂ حیات قرار دینا، صورت، سیرت دولت، حشمت، نسب، شرافت کسی لحاظ سے بھی درست ہو سکتا ہے؟

"اخبار خواتین" نے مضامین کا یہ سلسلہ اچھا نہیں چھیڑا ہے۔ کوئی شخص بھی خواہ کیسا ہی عیار کیوں نہ ہو اچھے کو برا اور بُرے کو اچھا بلند کو پست اور پست کو بلند نہیں بنا سکتا۔ یہ سہرا جو علامہ اقبال کے سر پر ان کے والد نے باندھا تھا ویسا سہرا پھر کبھی ان کو نصیب نہیں ہوا۔ نہ ویسی شریف بیوی اِن کو میسّر آئی۔ یہ دوسری بات ہے کہ جب جوانی ڈھل جائے اور آدمی تھک جائے تو راہِ مستقیم سے ہٹ کر جہاں اس کا قدم رک جائے اسی کو منزل قرار دے لے۔

عطیہ کے نام یہ خط جسے ڈاکٹر عبدالسلام نے اپنے دونوں مضامین میں اپنے دعویٰ کی دلیل قرار دیا ہے، ۱۹۰۹ء کا لکھا ہوا ہے۔ ۱۸۹۳ء میں شادی ہوئی ہے۔ علامہ صاحب نے بذاتِ خود ایجاب و قبول کیا پھر ازدواجی تعلقات پوری چاہت کے ساتھ قائم ہوئے، اولاد پیدا ہوئی۔ لڑکی کا نام علامہ نے خود معراج بیگم رکھا اور لڑکا پیدا ہوا تو اس کا نام خود آفتاب اقبال

تجویز فرمایا، ناموں کی معنویت میں علامہ کی قابلیت۔محبت دونوں بخوبی جلوہ گر ہیں۔ ۱۶۔۱۷ سال بعد علامہ یورپ کی زہریلی فضا سے متاثر ہو کر باپ کو لکھ رہے ہیں کہ میں نے شادی سے انکار کر دیا تھا۔آپ کو شادی کرنے کا حق نہ تھا۔

اس گستاخانہ تحریر کا جواز کیا ہے جبکہ خود جناب نے ایجاب و قبول کیا۔جناب کے ایجاب و قبول کے بغیر تو نکاح منعقد ہی نہیں ہو سکتا تھا۔پھر بعد نکاح اگر بیوی ناپسند تھی تو سودا اسی وقت واپس کر دیا ہوتا تو الدو تناسل کا سلسلہ ایک جگ سے زیادہ عرصہ تک کیوں قائم رکھا۔کئی بچوں کے باپ بننے کا پاپ کیوں کیا۔ اس قدر طویل عرصہ کے بعد اور نتائج رونما ہونے کے بعد کرب و اضطراب کا اظہار جو اس خط سے ظاہر ہوتا ہے کیسے صحیح ہو سکتا ہے۔ مقام ادب ہے ہم دم بخود ہیں، لیکن ہم ان واقعات و حالات کی موجودگی میں یہ ہرگز نہیں مان سکتے کہ علامہ کی اس مقدس بیوی میں کوئی عیب تھا۔عیب تو اس خط میں بھی کوئی نہیں بتایا گیا؛ جو شخص انھیں عام رفیقۂ حیات کہتا ہے اسے علامہ کی خاص رفیقۂ حیات کے ساتھ مقابلہ کر کے بتانا چاہیے کہ پہلی بیوی میں یہ عمومیت تھی دوسری بیوی اور تیسری بیوی میں یہ خصوصیت تھی۔ اگر عمر کی زیادتی کا عیب نکالا جائے تو خود حضرت علامہ کی عمر جبکہ یہ خط لکھا

گیا ہے کیا چالیس سال سے زیادہ نہ تھی۔ اگر ڈھلی ہوئی عمر کا آدمی اپنی بیوی بچوں سے غافل ہو کر جوان بیویاں ڈھونڈتا پھرتا ہے تو اس کا یہ فعل کسی تعریف کا مستحق نہیں نہ یہ فعل کسی عظیم شخصیت کا ہوسکتا ہے۔ نہ یہ فعل کسی عالم کو زیب دیتا ہے نہ کسی منصف اور شریف کو نہ کسی عاقبت اندیش عاقل کو۔

بے شک تعدد ازدواج اسلام میں جائز ہے، لیکن اس کے جواز کی شرط اول ہے عدل، اور جب پہلی بیوی کو نہ طلاق دی جائے نہ مہر دیا جائے نہ اس کے دیگر حقوق کی نگہداشت کی جائے تو ایسے شخص کو دوسری تیسری بیوی کرنے کا نہ شرعاً کوئی حق ہے نہ عرفاً نہ عقلاً نہ اخلاقاً۔ اگر یہ خط اور مضمون خط واقعی حضرت علامہ کا ہے تو:

ناطقہ سر بگریباں کہ اسے کیا کہئے

اور

خامہ انگشت بدنداں کہ اسے کیا لکھئے

نہ علامہ کی شرافت ذاتی ونسبی سے اس کو کچھ نسبت ہے نہ علم و دانش سے اسے دور کا واسطہ ممکن ہے کہ یہ اثر یورپ کی مسموم فضا کا ہو جیسا کہ ہم نے اوپر لکھا ہے تو یورپ پر اور اس کے علم و دانش پر صد ہزار بار لعنت۔ آخر وہ تعلیم کیسی ہے کہ جس کو حاصل کرنے کے بعد آدمی معیار اخلاق

سے گر جائے اور خواہشات نفسانی سے مجبور ہو کر مذہب و شرافت کی قدروں کو نظر انداز کر دے۔ حضرت اکبر آلہ آبادی نے ایسے ہی واقعات سے متاثر ہو کر فرمایا ہے ؎

ہم ایسی سب کتابیں قابل ضبطی سمجھتے ہیں
کہ جن کو پڑھ کے بیٹے باپ کو خبطی سمجھتے ہیں

اب رہی شادی سے پہلے شادی سے انکار کی وجہ، سو شادی سے پہلے بیوی کی ناپسندیدگی کا تو سوال ہی پیدا نہیں ہوتا، کیونکہ اسے دیکھا نہیں تھا۔ عام طور سے شریف نوعمر لڑکے شادی سے شرماتے ہیں اور ماں باپ فرطِ محبت سے ان کی شادی کا سہرا دیکھنے کے متمنّی ہوتے ہیں، جس انکار کا اس خط میں ذکر کیا گیا ہے وہ غالباً اسی وجہ سے ہوگا۔ ورنہ کوئی بتائے کہ لڑکی میں کیا عیب تھا۔ اس کی سسرال والوں میں کیا برائی تھی۔ عین شادی کے وقت امتحان میں شاندار کامیابی کا تار آیا۔ اس سے بیوی کا مبارک قدم ہونا بھی ثابت ہوتا ہے اولاد کا ہو جانا اور اولاد ذکور و اناث دونوں کا ہونا ثابت کرتا ہے کہ وہ بانجھ ہونے کے بدنما عیب سے بری تھی بلکہ ایک میوہ دار درخت کی طرح نشو و نما اور توانائی کا خوشنما منظر بھی تھی۔ ناواقف مضمون نویس نے لڑکی کا نام مریم لکھا ہے حالانکہ نام معراج بیگم تھا۔ مضمون نویس کا یہ جملہ

"شادی کئے سولہ سال گزر گئے، لیکن اختلافات کی خلیج تھی کہ وسیع تر ہوتی چلی گئی" واقعات وحقائق کے سراسر خلاف ہے۔ جب تک علامہ سیالکوٹ میں رہے اپنے بیوی بچوں کے ساتھ محبت کرتے رہے۔ ۱۸۹۹ء میں علامہ نے لاہور گورنمنٹ کالج میں داخلہ لیا اور ۱۹۰۵ء تک بہ سلسلۂ تعلیم وملازمت لاہور میں قیام پذیر رہے۔ اس وقت تک بھی میاں بیوی میں ناچاقی کا کوئی شخص ثبوت نہیں دے سکتا۔

پھر آپ نے سفر یورپ اختیار کیا۔

۱۹۰۸ء تک علامہ یورپ میں قیام پذیر رہے جہاں آپ بیرسٹر بنے۔ پی۔ ایچ۔ ڈی کی ڈگری لی اور اپنی غیر معمولی ذہانت ولیاقت کا سکہ اہل یورپ کے دلوں پر مرتسم کیا۔ یہ صحیح ہے کہ تعلیم کے ساتھ علامہ نے یورپ میں وہ کچھ دیکھا جو اس سے پہلے ان کی نظر عالی سے نہ گذرا تھا۔ اور علامہ چونکہ صورت، سیرت، صحت، وجاہت اور ذہانت وفطانت کے اعتبار سے غیر معمولی کشش کے مالک تھے، اس لیے یورپ کی رنگین فضاء میں جو انھیں مرجعیت و امتیازی شان نصیب ہوئی وہ کسی دوسرے کے لئے ممکن نہ تھی۔ فرا ایماویگے ناست، سلوسٹر مس لیوی۔ عطیہ فیضی جیسی ذی علم، خوبصورت، جوان عورتوں کے ساتھ زندگی

بسر کرنے کے مواقع میسر آئے۔ یہ رنگین، دلچسپ علمی اور طویل صحبتیں
اور پھر فردوس گاہ یورپ میں ایسی نہ تھیں جو علامہ کے لوح دل
سے محو ہو جاتیں اس لئے واپسی وطن کے بعد اگر آپ کا وطن
میں جی نہ لگا اور اس حالت میں پرانے زمانے کی شریف و
پردہ نشیں بیوی، بال بچہ دار بیوی اگر نظر سے اتر گئی ہو تو
کوئی تعجب کی بات نہیں۔ عطیہ فیضی کی ڈائری جو چھپ چکی
ہے، اگر نظر سے گزرے تو اس سہ سالہ زندگی کے حسین پروگرام
کی تفصیلات لوگوں کے سامنے آجائیں۔ اور آسانی سے لوگ
کہہ سکیں کہ بہ تقاضائے بشریت علامہ میں یورپ نے ایک قسم
کی بے راہ روی یا آزادی پیدا کی اور وطن واپس آنے کے
بعد یورپ کی جدائی کے صدمے نے انھیں وطن سے بیزار کر دیا۔ اس
عالم وارفتگی میں وہ نہ صرف غریب و شریف بیوی سے بلکہ وطن
کی ایک ایک چیز سے بے زار ہو کر یورپ واپس جانے کا ارادہ
کرنے لگے۔ لیکن بڑے بھائی عطا محمد صاحب نے جن کے وہ
بقول خود ایک قسم کے اخلاقی دباؤ میں تھے ایک طرف تو انھیں
ترک وطن سے باز رکھا دوسری طرف علامہ کی غیر معمولی شخصیت
کے غیر معمولی اثر اور مقبولیت و شہرت کو اپنی ذات اور اپنی اولاد
کے مفاد کے لئے مخصوص کر لینے کی کامیاب کوشش کی اُن کو
اپنے بیوی بچوں کی طرف توجہ کرنے کی مطلق مہلت نہ دی۔

عطا محمد کو علامہ نے سزا سے بچایا | علی بخش کا بیان ہے کہ عطا محمد صاحب ایک جگہ ملازم تھے۔ وہاں ان پر رشوت کا مقدمہ قائم ہوا جس سے بری کرانے کے لئے خود حضرت علامہ کو بہ نفسِ نفیس زحمتِ سفر گوارا کرنی پڑی۔ اس سفر میں علی بخش حضرت علامہ کے ساتھ تھا جو اس واقعہ کا راوی اور عینی شاہد ہے۔ "ذکر اقبال" کے حوالہ سے "اخبار خواتین نے جن خطوط کو اپنے اخبار میں شائع کیا ہے اس سے ہر دانشمند نتیجہ نکال سکتا ہے کہ علامہ کی یہ وارفتگی صرف اپنی پہلی بیوی سے بددل ہو جانے کی وجہ نہ تھی۔ یقیناً کچھ اور ناسازگار حالات تھے۔ جن میں وہ گھر گئے تھے۔ ان کا دل چاہتا تھا کہ وطن اور اہل وطن دونوں کو چھوڑ دیں لیکن حالات متعلقہ کا تقاضا اور عطا محمد کی شخصیت کا دباؤ انھیں وطن میں محبوس رکھنا چاہتا تھا۔ اسباب معاش کی جستجو اور فکر اس پر مستزاد تھی اس مغلوبیت، کشمکش اور وارفتگی کی حالت میں ممکن ہے ان کی قلم سے ایسا خط یا خطوط نکل گئے ہوں جو ان کی شان کے سراسر منافی ہوں۔ اقبال کے سینکڑوں خطوط سینکڑوں آدمیوں کے نام آج بھی موجود ہیں اور مکاتیب اقبال کے نام سے طبع ہو کر شائع ہو چکے ہیں ان سب کو پڑھ جائیے سب میں اقبال کی قابلیت، محبت، رواداری، نکتہ رسی، دینداری، معاملہ فہمی بالکل منفرد طور پر نظر آئے گی۔ بجز ان خطوں کے جو اقبالیت سے بالکل خالی ہیں، جن

میں والد کو الزام دیا جا رہا ہے، بیوی کو عذاب بتایا جا رہا ہے بھائی کا دباؤ مانا جا رہا ہے اور حصول مسرت کے حق کا بے سر و پا دعویٰ کیا جا رہا ہے۔ بلاشبہ حصول مسرت کا حق ہر ایک کو حاصل ہے، لیکن کسی دوسرے کی مسرت چھین کر اور کسی کا حق غصب کرنے کے بعد نہیں۔

بالآخر علامہ یورپ نہ جا سکے اور عطا محمد اور ان کی اولاد کے لئے وقف ہو کر رہ گئے۔ ان کے پیر کی بیڑی کو مضبوط کرنے اور حضرت علامہ کو بہلانے کے لئے یار لوگوں نے دوسری شادی کی طرف اُنھیں لگا لیا۔ چنانچہ یکے بعد دیگرے دو شادیاں اور ہو گئیں یوں ایک بے زبان، بے قصور پہلی شریف بیوی علامہ کے التفات سے محروم ہوئی۔

علامہ کی شادیوں کا تذکرہ جناب سالک نے "ذکر اقبال" میں کیا ہے جو ڈاکٹر خورشید صاحب کے مضامین (زیر بحث) کا ماخذ معلوم ہوتا ہے۔ لیکن یہ دونوں مضمون "ذکر اقبال" کا ایک ناقص خلاصہ ہیں۔ اس لئے کہ عبارت ذیل جو اسی عنوان کا تکملہ ہے ڈاکٹر خورشید نے چھوڑ دی ہے، حالانکہ اس عبارت سے علامہ کے کیریکٹر پر اور علامہ کی پہلی عیالدار اور پرانی بیوی کے ساتھ علامہ کے تعلقات پر پوری روشنی پڑتی ہے۔ وہ عبارت حسب ذیل ہے ملاحظ

کیجیے:

مرزا صاحب کا بیان ہے کہ اس خاتون سے (جو جاوید اور منیرہ کی والدہ ہیں)، شادی ہوجانے کے بعد اقبال نے کبھی کسی عورت کی طرف نگاہ اٹھا کر بھی نہ دیکھا۔ ساری رنگ رلیاں ختم ہوگئیں۔ یہ ۱۹۱۳ء کا واقعہ ہے۔ اس کے بعد اقبال کی زندگی کا اسلوب کاملاً بدل گیا۔

"رنگ رلیوں" کا ذکر آگیا تو یہ بھی سن لیجیے کہ اقبال عنفوان شباب میں اپنے عہد کے دوسرے نوجوانوں سے مختلف نہ تھے۔ بلاشبہ وہ مصری کی مکھی ہی رہے۔ شہد کی مکھی کبھی نہ بنے لیکن آج بھی ان کے بعض ایسے کہن سال احباب موجود ہیں جو اس گئے گزرے زمانے کی رنگین صحبتوں کی یاد کو اب تک سینوں سے لگائے ہوئے ہیں۔ خود اقبال نے اپنی ابتدائی لغزشوں کو چھپانے کی کبھی کوشش نہیں کی۔ ان کے تمام ہم نشیں اس حقیقت کے گواہ ہیں۔ علاوہ بریں مثنوی "رموز بیخودی" کے آخر میں "حضور رحمۃ للعالمین" میں عرض حال کرتے ہوئے اعتراف کرتے ہیں کہ میں مدتوں عشق مجاز اور اس کے متعلقات میں مبتلا رہا۔ لیکن یہ آرزو میرے سینے میں برابر آباد رہی کہ میری موت حجاز میں ہو۔ فرماتے ہیں:

مدتے با لالہ رویاں ساختم
عشق با مرغولہ مویاں باختم
بادہ ہا باماہ سیمایاں زدم
بر چراغ عافیت داماں زدم
برقہا گردید گرد حاصلم
رہزناں بردند کالائے دلم
ایں شراب از شیشہ جانم نہ ریخت
ایں زر سارا ز دامانم نہ ریخت

آفتاب اقبال کو علامہ نے پہلے قادیان مولوی نورالدین کے مدرسہ میں تعلیم کے لئے بھیجا جب مولوی نورالدین کا انتقال ہوگیا تو علامہ نے انھیں فوراً قادیان سے بلالیا۔ آفتاب صاحب کو علامہ نے ہی سینٹ اسٹیفن کالج دہلی بھیجا تھا جہاں انھوں نے ایم۔ اے تک تعلیم حاصل کی۔ اس وقت تک آفتاب صاحب کو اپنے والد کی سرپرستی حاصل رہی۔ چنانچہ اسی زمانہ میں مہاراجہ سرکشن پرشاد کو انھوں نے اپنے ایک خط میں آفتاب صاحب کے بارے میں لکھا، لڑکا دہلی کالج میں پڑھتا ہے۔ ذہین وطباع

ہے مگر کھیل کود کی طرف زیادہ راغب ہے ۔ آج کل اس فکر
میں ہوں کہ اس کو کہیں مرید کرادوں یا اس کی شادی کردوں کہ
اس ناز میں نیاز پیدا ہو جائے ؎

نازتا نازاست کم خیزد نیاز
نازہا سازد بہم خیزد نیاز

اس سے ثابت ہے کہ علامہ کو آفتاب اقبال کا کتنا خیال
تھا۔ لہٰذا "اخبار خواتین" کے مضمون نویس کا یہ کہنا بالکل بے بنیاد
ہے کہ " آفتاب اقبال کے تعلقات اپنے والد سے ہمیشہ ناخوشگوار
رہے "۔

البتہ یہ صحیح ہے کہ آفتاب اقبال جس شفقت کے حقدار
تھے اپنی مظلوم ماں کا بیٹا ہونے کی وجہ سے اس سے وہ ۱۹۱۲-۱۳ء
کے بعد جبکہ علامہ نے شادیوں کا سلسلہ شروع کیا۔ ایک حد تک
محروم ہو گئے تو اس میں ان کا کیا قصور حضرت علامہ نے جس طرح
بیوی کو بے حق کیا اسی طرح اس کے بیٹے کو بے حق کیا اور اس
ظلم ناروا میں ان کے بھائی عطا محمد کا بڑا ہاتھ تھا وہ یہ چاہتے
تھے کہ آفتاب اقبال کی بجائے ان کا اپنا بیٹا جو قریب قریب
آفتاب صاحب کے ہم عمر ہے علامہ کی توجہ کا مرکز بن جائے،
چنانچہ یہی ہوا۔

الغرض عطا محمد صاحب موصوف کا رویہ علامہ کے

بیوی بچوں کے ساتھ ہمیشہ سے نہایت سخت اور معاندانہ تھا۔ آفتاب اقبال کو زدوکوب کرنا، سب وشتم سے پیش آنا، ان کا معمول تھا۔

عطا محمد صاحب کا ظالمانہ سلوک والدۂ آفتاب اور ان کی اولاد کے لئے سوہان روح بنا ہوا تھا۔ شیخ نور محمد صاحب دیکھتے تھے اور دکھ پاتے تھے، لیکن عطا محمد کی درشت طبیعت کے آگے مجبور تھے۔ عطا محمد اپنے گھر والوں پر بے طرح چھائے ہوئے تھے۔

ایک دفعہ کا واقعہ ہے کہ عطا محمد، آفتاب اقبال کو اپنی عادت کے مطابق برا بھلا کہہ رہے تھے۔ ماں نے اپنے بچے کو اپنے پاس بلا لیا۔ عطا محمد صاحب ایک بیت لے کر آئے اور ماں سے بچہ کو چھین کر کمرے میں لے گئے اور چٹخنی چڑھالی اور انھیں مارنا شروع کیا۔ بالآخر دادا آئے اور انھوں نے غالباً روحانی تصرف سے کام لے کر باہر سے اندر کی چٹخنی کھولی اور آفتاب غریب کو ان کے دستِ ظلم سے بچالیا۔ اس وقت آفتاب اقبال کی عمر ۹ سال سے زیادہ نہ تھی۔ علامہ کو جب یہ واقعہ معلوم ہوا تو وہ بھی بھائی سے شکوہ سنج ہوئے۔ عطا محمد صاحب بہت سے ان محاسن سے یکسر معرا تھے جو اللہ عزّ وجل نے ان کے والد اور ان کے بھائی کو عطا فرمائے تھے۔ انھیں اپنے مطلب سے مطلب تھا۔ اس کے حصول کے لئے وہ مذہب واخلاق سے بھی اگر

ہٹنا پڑتا تھا تو ہٹ جاتے تھے۔ چنانچہ حصول مطلب ہی کے لئے وہ قادیانی ہو گئے تھے وہ قادیانی ہی مرے اور آج تک ان کی اولاد بھی قادیانی ہے۔ یہ تبدیلئ مذہب تحقیق حق کے بعد عمل میں نہیں آئی تھی بلکہ محض حصول اغراض اور جاہ و منصب کے لئے وہ حلقہ بگوش میرزا غلام احمد قادیانی بنے تھے۔ مذاہب کے موازنہ کی ایسی لیاقت نہ تھی۔

سب سے کمزور اور مظلوم آفتاب اقبال اور ان کی والدہ تھیں جو ان صاحب کا خصوصی شکار تھیں۔ بیوی کو شوہر سے، بیٹے کو باپ سے جدا رکھنا یہ جناب عطا محمد کا محبوب مشغلہ تھا۔

عطا محمدؒ صاحب کی سختی کا اس سے اندازہ کیجئے کہ ایک بار معراج بیگم نے اپنے باپ علامہ اقبال کو براہ راست خط لکھ دیا۔ بس یہ وہ جرم قبیح تھا جس کی بنار پر عطا محمد صاحب ایسے بگڑے کہ سخت باز پرس معصوم لڑکی سے کی کہ ہمارے ہوتے ہوئے تجھے کیا حق تھا کہ باپ کو براہِ راست خط لکھے۔

علی بخش ملازم نے بتایا کہ عطا محمد بہت سخت مزاج آدمی تھا۔ علامہ نے یورپ روانگی کے وقت مجھ کو ان کے پاس بھیج دیا تھا، لیکن بس چند روز بھی ان کے پاس گزارہ نہ کر سکا۔ نیز اس نے بتایا کہ عطا محمد محلہ والوں سے لڑتا رہتا تھا۔ باپ منع کرتے تھے، لیکن وہ ان کی بات نہ سنتا تھا۔

عطا محمدؒ کے بارے میں حضرت علامہ فرمایا کرتے تھے:

HE HAS HEART BUT NO INTILLECT

یعنی اس شخص کے پاس دل ہے، لیکن عقل نہیں ہے
اور حالات بتاتے ہیں کہ عقل کی جگہ خود غرضی نے لے لی تھی۔
عطا محمد نے بھی دو شادیاں کی تھیں۔ پہلی بیوی سے ایک لڑکی
تھی جس کا نام برکت بی بی تھا جسے عطا محمد نے کبھی اپنی اولاد نہ
جانا حتیٰ کہ وہ فاقوں سے تنگ آکر جب ان کے گھر آتی، اپنا
حال زار بیان کرتی اور دست سوال دراز کرتی تو سوتیلی ماں تک
کو اس پر ترس آجاتا تھا وہ صدقہ خیرات سے اس کی مدد کر دیتی
تھی، لیکن عطا محمد کو کبھی اپنی اس اولاد پر رحم نہ آیا۔
مسٹر عطا محمد کی بدسلوکیاں آفتاب اقبال اور ان کی والدہ
کے ساتھ حضرت علامہ کی وفات تک جاری رہیں۔
علامہ کی بیماری کے دَور کا واقعہ ہے کہ آفتاب اقبال
جو علوم و فنون حاصل کر کے اور بیرسٹری کی ڈگری لے کر یورپ سے
وطن واپس آگئے تھے اور لاہور میں پریکٹس کر رہے تھے، اپنے
والد بزرگ کی شدّت علالت کی خبر سے متاثر ہو کر مزاج پرسی
کی غرض سے حضرت علامہ کی خدمت میں حاضر ہوئے تو" ان شفیق
عم بزرگوار نے اپنے بھتیجے آفتاب کو اپنے باپ تک پہنچنے دینا تو
درکنار گھر کے اندر بھی گھسنے نہ دیا۔ سنا ہے حضرت علامہ کو جب
آفتاب کے آنے کا اور عطا محمد کی اس بدسلوکی کا علم ہوا تو ان کو

بھی سخت ناگوار گذرا۔ مگر عطا محمد باز آنے والے کب تھے۔

انتہا یہ کہ حضرت علامہ کا جب وصال ہوگیا تو آفتاب صاحب دیگر عزیزوں کی طرح بغرض تعزیت جاوید منزل آئے کمرہ میں اس وقت بجلی جل رہی تھی اور احبار و اعزار کا مجمع تھا آفتاب صاحب کو دیکھتے ہی عطا محمد صاحب چراغ پا ہوگئے۔ فوراً بجلی کا پنکھا بند کردیا، اور نہایت سختی سے آفتاب اقبال صاحب سے کہا: "چلے جاؤ یہاں سے ہوچکی ماتم پرسی" یہ وہ بربریت تھی کہ جسے عطا محمد صاحب کے بیٹے نے بھی سخت ناپسند کیا اور باپ سے کہا، آپ کو ایسا کرنا مناسب نہ تھا۔

واقعات سے پتہ چلتا ہے کہ علامہ نے بھی اپنی وفات سے کئی سال پہلے ہی ان بھائی صاحب کو ان کی خودغرضی اور سخت مزاجی کے باعث نظر سے گرادیا تھا۔ چنانچہ ۱۹۳۵ء میں جب وصیت نامہ ترتیب دیا گیا اور کچھ لوگوں کو جاوید و منیرہ کی کم سنی کے باعث ان کا سرپرست مقرر کیا گیا تو ان سرپرستوں کی فہرست میں ہمیں عطا محمد صاحب کا نام نامی نظر نہیں آیا۔

ہمیں یہ واقعات خود جناب آفتاب اقبال کی زبانی معلوم ہوئے جو اپنے عظیم باپ کی طرح سچے۔ دلیر اور نہایت قابل اور اپنے باپ دادا کے بہت سے محاسن کے صحیح وارث اور جانشین ہیں

وہ اپنے باپ دادا کی نیک مزاجی حمیت وغیرت و شرافت کے آئینہ دار ہیں۔ ان کا تفصیلی حال آگے درج کیا جائے گا۔

یہ پوست کندہ حالات یقیناً پردۂ خفا میں رہتے اگر وہ لوگ جو علامہ کے اور ان کی دوسری بیویوں اور اُن کی اولاد کے ہمدرد ہونے کے مدعی ہیں۔ ان کی ہمدردیاں اگر انہی لوگوں کے ساتھ مخصوص رہتیں اور وہ آفتاب صاحب کی والدہ ماجدہ، معصومہ کا ذکر اپنی ہمدردیوں کا ضروری جزو نہ سمجھتے۔

اب تاریخ جہاں یہ بتائے گی کہ علامہ اقبال اپنی پہلی بیوی سے بے زار تھے وہاں بے زاری کے وجوہ میں۔ عطا محمد صاحب کا کردار بھی لوگوں کے سامنے آئے بغیر نہ رہے گا جو اس غمناک داستان میں داستان کے سبب اصلی بلکہ بانی کی حیثیت کے مالک ہیں۔ اور علامہ اقبال سے ۱۶۔۱۷ سال بڑے ہونے کی وجہ سے علامہ اقبال کی گھریلو زندگی پر ایک دیو کی طرح مسلط تھے۔

نیز یہ وصیت نامہ مذکورہ جو علامہ کے ہمدردوں کی ہمدردی کا شاہکار ہے۔ جہاں یہ ثبوت بہم پہنچائے گا کہ علامہ اقبال کے سارے مال و متاع کے وارث ان کے صرف دو بچے ہیں جو بوقت وصیت سنِ بلوغ کو بھی نہیں پہنچے تھے۔ وہاں وہ اس ناانصافی کی بھی ایک ناقابل انکار دستاویز ثابت ہوگا کہ علامہ کا عاقل بالغ اور قابل لڑکا آفتاب اقبال محض اس جرم بے جرمی میں اپنے باپ کے

ترکہ سے محروم کر دیا گیا ہے کہ وہ ایک معصوم اور شریف بیوی کے بطن سے پیدا ہوا تھا جو اپنے شوہر کی جائداد منقولہ میں سے اپنا جائز ورثہ لینا تو در کنار اپنے دین مہر کی بھی حق دار نہ قرار پا سکی۔ ہمارے نزدیک اکیس علامہ بالکل بے قصور ہیں۔ علامہ تو اپنی گوناگوں علالتوں کے باعث اپنے زندگی کے آخری سالوں میں مجبور و معصوم ہو کر رہ گئے تھے۔ جیسا گرد و پیش کے لوگوں نے مجبور کیا وہیں مجبور ہو گئے جہاں انھوں نے دستخط کرائے اُنھوں نے کر دئے، لیکن انصاف کا ایک وقت مقرر ہے جو آئے بغیر نہ رہے گا ؎

قریب ہے یار روز محشر چھپے گا کشتوں کا خون کیونکر
جو چپ رہے گی زبان خنجر لہو پکارے گا آستیں کا

الحاصل یہ وہ ظلم ناروا تھا جسے عطا محمد صاحب بھی برداشت نہ کر سکے۔ لیکن علامہ کی وفات تک پھر بھی وہ کچھ نہ بولے اور وفات کے فوراً بعد اس سلسلہ میں اپنے بھتیجے آفتاب اقبال کو جو خطوط انھوں نے ارسال فرمائے ان کی اصل کا چربہ حسب ذیل ہے۔ ملاحظہ ہو۔ ان خطوط کو دیکھ کر کہنے والا یہ بھی کہہ سکتا ہے کہ عطا محمد صاحب کے رویہ کا یہ انقلاب، یہ چشمِ عنایت غریب آفتاب اقبال پر۔ ممکن ہے نتیجہ اس ناراضگی کا ہو جو پنچوں میں شرکت سے محروم ہونے کے باعث ان کے دل میں پیدا ہوئی ہو۔ لیکن یہ صحیح نہیں ہے۔ خطوط مندرجۂ ذیل پڑھنے کے بعد اندازہ ہوتا ہے کہ یتیم و بے آسرا

بھتیجے اور ستم رسیدہ بھاوج کے لئے ان کا دل واقعی نرم ہوگیا تھا۔
اور وہ اپنی سابقہ بدسلوکیوں پر نادم و شرمسار تھے۔ لیکن یہ ندامت و
شرمساری جو لفظاً تھی بہت بعد از وقت تھی ؎

کی مرے قتل کے بعد اس نے جفا سے توبہ
ہائے اس زود پشیماں کا پشیماں ہونا

عطا محمد (برادر علّامہ اقبال)
کے
خطوط

ص۴۹ پر جو خط درج ہے اس میں عطا محمد صاحب نے
کئی باتیں بیان کی ہیں۔

۱۔ آغاز خط میں جس ندامت کا اظہار کیا ہے اور زیادتی کا اقرار
کیا ہے دراصل یہ وہی ظلم ناروا ہے جو انھوں نے آفتاب اقبال
پر اس وقت کیا تھا جب کہ حضرت علامہ کی وفات کے بعد دیگر
احباب و اعزا کی طرح آفتاب صاحب جاوید منزل گئے تھے۔ اور
عطا محمد صاحب نے انھیں دیکھتے ہی بجلی کا پنکھا بند کر دیا تھا۔

اور رشتہ داروں اور متعلقین کے بھرے مجمع میں اپنے روایتی درشت لہجہ میں یہ کہہ کر گھر سے باہر نکال دیا تھا کہ "جاؤ یہاں سے ہوچکی ماتم پرسی"

چونکہ آفتاب صاحب نہایت صبر وضبط اور خاموشی کے ساتھ گھر سے باہر آگئے تھے اس لئے اس خط میں اُنھیں برخورداری کے لقب سے ملقب کیا گیا ہے۔

۲۔ آگے چل کر عطا محمد صاحب ایک ایماندار بزرگ کی طرح والدۂ آفتاب کا دین مہر نہ دینے پر اپنے بھائی علامہ اقبال پر تعجب اور غم وغصہ کا اظہار فرما رہے ہیں۔ لیکن ہمیں ان پر تعجب ہے کہ وہ ۱۹۱۳ء سے ۱۹۳۸ء تک جوان کی پہلی بھاوج کے ساتھ ناانصافیاں ہوتی رہیں ان کا ملاحظہ ایک خاموش تماشائی کی طرح کرتے رہے اور اب بعد وفات بھی مہر کی ایک چھوٹی سی رقم کے لئے تو نعرۂ حق لگا رہے ہیں، لیکن اپنے لائق بیٹے آفتاب اور اپنی وفادار شریف ترین بیوی کو جو حضرت علامہ نے محروم الارث کیا اس پر وہ مہر سکوت بر لب ہیں۔ یہ حق تلفی بغیر کسی وجہ کے ہے، حضرت علامہ کو اپنے ان زن و فرزند سے واقعی کوئی شکایت تھی تو وصیت نامہ میں وہ اس کا اظہار ضرور کرتے۔ علامہ کے اور ان کے بیوی بچہ کے درمیان دیوار افتراق حائل کرنے میں دراصل انہی کا بہت بڑا ہاتھ تھا۔

اسی لئے حضرت علامہ کی زندگی میں بھی خاموش رہے اور بعد وفات بھی خاموش ۔ کیا اس حق تلفی پر (ان کا یہ قول صادق نہیں آتا) " ایسے انسان سے جس کو پبلک مجدد اور علامہ اور ترجمان حقیقت کا خطاب دیتی ہے ۔ ایسی غلطی کا ہونا اس کی شہرت کے واسطے شرعی اعتراض وارد ہوتا ہے، لہٰذا وہ ضرور ادا ہونا چاہیئے ورنہ مرحوم قرضہ ادا نہ کرنے کے عذاب سے بری نہ ہو سکے گا اور اس عذاب کو اللہ تعالیٰ بھی معاف نہ کرے گا تا وقتیکہ قرض خواہ معاف نہ کرے"۔

پانسو روپے ماہانہ وظیفہ نواب صاحب بھوپال حضرت علامہ کو بھیجا کرتے تھے، جس کا تذکرہ عطا محمد صاحب فرما رہے ہیں اور بڑی ہمدردی کا اظہار کر رہے ہیں بلکہ آفتاب صاحب، اور ان کی والدہ پر ترس کھا رہے ہیں لیکن محض لفظی۔

اس وظیفہ میں حضرت علامہ کچھ رقم اپنی ساس، (جاوید کی نانی) کو بطور گذارہ الاؤنس دیا کرتے تھے اور کچھ والدۂ آفتاب صاحب کو بھی، غالباً جاوید کے سرپرست حضرت علامہ کی وفات کے بعد اس کے اجراء کی کوشش میں مصروف تھے ۔

(از مؤلف)

184 [illegible]

سیالکوٹ شہر
15.7.38

برخوردار شیخ آفتاب اقبال طالع ہو

بعد دعا کے واضح ہو - مجھے افسوس ہے کہ تم سے اوس روز زیادتی ہوئی اور تمہاری برخورداری نے بعد
میں تم کو خود نادم کیا - غم اور رنج کی حالت میں اکثر ایسا ہو جاتا ہے - تمہاری والدہ کے مہر کے
واسطے میں نے محمد حسین کو لکھا تھا کہ ڈاکٹر صاحب مرحوم نے اپنی جائداد تاحین وفات کرنے سے چند روز اول
بچوں کے نام ہبہ کر دی تھی لیکن اپنی بیوی کے حق مہر خود عمل سے خود دیدہ دانستہ ادا نہ کی انکو کچھ نہ لکھا
شرعاً ہبہ کرنے سے اول بیوہ کا قرض ادا ہونا چاہئے تھا - ایسے انسان سے مجھکو بہت رنج ہے اور علاوہ اس
زرجان حقیقت کا خطاب دیتا ہے ایسی غلطی کا ہونا اوسکی شہرت کے واسطے شرعی اعتراض وارد
ہوتا ہے - بہرحال مہر ضرور ادا ہونا چاہئے ورنہ مرحوم ذمہ دار ہوگا عذاب بڑا ہوگا۔
اور اس عذاب کو اللہ تعالیٰ بھی معاف نہ کریگا تاوقتیکہ قرض خواہ معاف نہ کرے - مجھے معلوم ہوا ہے
کہ وہ لوگ نواب جونا گڑھ کے وظیفہ کے انتظار میں ہیں - نواب جونا گڑھ ریاست سے باہر ہے دو ماہ بعد
اویگا - انکو وظیفہ کی امید ہے - اگر وظیفہ بدستور قائم رہا تو تمہاری والدہ کو بھی کوڑی
اسکے معنی سالانہ کو جو مستحق دیتے تھی سب کے حصہ بیگا اور اگر جاکر بدستور کوئی بھی اوسی طرح رہیگا

جیسے وہ بھی زندگی میں تھی۔ بلکہ اقبال مرنے سے اول اپنی خواہش اسکی بابت ظاہر کر گیا ہے
نور جہاں کے واسطے پھر معلوم ہوگا ۔ مجھے تمہارے لئے تمہاری والدہ پر بڑا رحم آتا ہے لیکن مجھ میں
اب اسقدر وسعت نہیں کہ تمہاری یا تمہاری والدہ کی امداد کر سکوں۔ مرحوم نے جو
وصیت یعنی ہبہ جائیداد خود کیواسطے کی تھی وہاں موجود نہ تھا ورنہ میں خود بیٹھ کر اوسکو
یاد دلاتا لیکن وہ اسپر غور کرتے ۔ یہ اونکا حاشیہ لکھوانا ہی ثبوت ہے خاطر خواہ ظاہر کرنے
جسکو سب حالات معلوم تھے۔ لہذا چند روز صبر کرنا چاہئے ۔ اگر تم چاہو تو بیوہ کی طرف سے
نور جہاں کو ایک یاد داشت بھیجو تاکہ اگر وہ وظیفہ دیدیں تو اوسکا حق محفوظ رہے
برخوردار تعجب کی بات ہے کہ باوجود اسقدر علم کے تم اسوقت تنگ حالت میں ہو۔ خدا سے
معافی چاہو۔ تمہاری محنت ضائع ہوگی اور یہ خوشحالی کا زمانہ بھی آجاویگا ۔ تنگی کے
بعد فراخی اور فراخی کے بعد تنگی ۔ اسکا اسی طرح دونوں کو پھرنا رہتا ہے ۔ صبر سے
کام لو نیک چلن رہو خدا تمہاری مشکل آسان کردیگا ۔ وظیفہ ملنے کے بعد اگر تم واپس کردو
دیدینا یا وظیفہ ملے تو تمہارا اختیار ہوگا کہ جسکو چاہو دو برو اس مسجد کو ہرگز یا ہرگز یہ ایک
ایسی غلطی ہے جو ایک عالم دین سے نہیں ہونی چاہئے تھی۔

عطا محمد

۱۔ اس دوسرے خط میں وظیفہ کے تذکرہ کے بعد جاوید کے بارے میں حضرت علامہ کی ناخوشی کا اظہار کیا ہے۔ اپنے آپ بھی جاوید کے مستقبل سے اچھی امید وابستہ نہیں کی۔

۲۔ اس خط میں انھوں نے پیشینگوئی کی ہے کہ بچوں کے لئے جو ٹرسٹ حضرت علامہ نے قائم کیا ہے اس کا انجام خراب نکلے گا۔ اپنے صاحبزادہ کو اسی لئے اس سے مستعفی ہونے کی رائے دے رہے ہیں۔

۳۔ جاوید و منیرہ سے بیزاری کا اظہار فرمارہے ہیں۔

۴۔ حضرت علامہ ان کے نزدیک بچوں کی ترتیب و نگہداشت کے طور طریقوں سے واقف نہ تھے۔

۵۔ آفتاب صاحب کے بارے میں اعتراف کررہے ہیں کہ تم نے ترقی محض اپنے زور سے اور اپنی والدہ کے زر سے کی ہے۔ تمہارے باپ نے تمہاری کچھ مدد نہیں کی۔ جاوید تمہارے برعکس ہے وہ چالیس پچاس روپے ماہانہ کا ٹیوٹر رکھے بغیر جماعت میں چل نہیں سکتا۔

۶۔ آخر میں آفتاب صاحب کو دعا دے رہے ہیں کہ اللہ تمہارے کاروبار میں ترقی دے اور تم اپنی والدہ کی خدمت کا حق ادا کر سکو۔

ان کی یہ بات بھی صحیح ہے کہ آفتاب صاحب نے
اپنے والد کے روپے سے فائدہ نہیں اٹھایا خود اپنے شوق
سے پڑھا اور ان کی والدۂ ماجدہ نے اپنے زرِخاص سے
ان کی مالی مدد کی اور عطا محمد صاحب کی دعا قبول ہوئی واقعی
آفتاب صاحب نے یورپ سے واپسی کے بعد اٹھارہ سال
سخت جدو جہد میں گذارے لیکن خاطر خواہ کامیابی حاصل کی۔
اور اپنی محترم والدہ کی تادمِ زیست اطاعت و فرمانبرداری
میں رہے کبھی ان کی خدمت اور ان کے حکم سے منہ نہ موڑا۔
خط ملاحظہ کیجئے:

[illegible]

سیالکوٹ

13.7.38

برخوردار شیخ آفتاب اقبال طال عمرہ

بعد دعا کے واضح ہو۔ تمہارا خط مورخہ معلوم ہوا۔ اچھا کیا کہ اپنی والدہ کیطرف سے نواب صاحب کو عریضہ بھیجدیا۔ اول تو مجھے امید نہیں کہ نواب صاحب وظیفہ جاری رکھینگے اگر جاری رہا تو تمہاری والدہ کا ذکر خاص طور پر اوسمیں کیا جاویگا۔ برادر مرحوم کو جاوید کے عنوان کچھ اچھے نظر نہ آتے تھے۔ وہ اس سے ناخوش ہی سدھارے۔ اوسکی والدہ کا انتقال پردہ پوش رہا مجھسے بارہا کہا کہ ہمارا خاندانی اتفاق اور محبت باہمی میرے اور آپکے بعد ختم ہو جاویگا۔ کیونکہ مجھے اپنی اولاد پر بھروسہ نہیں ہے کہ میرے بعد خاندانی روایات قایم رکھیگی۔ اور میں خود بھی اوسکے عادات اور اطوار سے ایسا ہی محسوس کیا کرتا تھا۔ مجھے امید کم ہے کہ یہ اپنا یا باپ کا نام کو زیادہ بلند کریگی۔ کیا اونکی بیوی کو جواب دیدیا گیا ہے جو منیرہ شیخ طاہرین کے گھر چلی گئی ہے۔ میں اسی لیے تھا کہ شیرا میم کے پاس نہ رکھا جاوے۔ اور جب وعدہ تھا کہ دو ماہ تک وظیفہ کا حال معلوم ہونے پر تمام انتظام بدل دیا جاویگا لیکن فی الحال قایم رکھنا ضروری ہے۔ اعجاز احمد کو یہ مشورہ دیا ہے کہ وہ ٹرسٹی شپ سے استعفا دیدے

اسی ٹرسٹ کا نتیجہ اور خراب نکلے گا۔ جاوید کے ماموں مرحوم بھی ٹرسٹ میں تھا اوسکا ذریعہ ہر
ڈاکٹر اقبال نے مبادا امیرالدین کو مقرر کر لینے کو ایک شرط ضرورت کیا ہوا تھا۔ اوسکو مقرر کر لیا ہے
ڈاکٹر صاحب مرحوم کے الفاظ کو زیر نظر رکھتے ہوئے جاوید اور منیرہ کے متعلق خیال کرنا
چھوڑ دیا ہے۔ ان کا کسیقدر خیال ہے۔ منیرہ آتا ہے۔ ابھی بچہ ہے خوش اپنے پر اوسے
خود بخود اپنے تعلقات کرنے پڑینگے — برادر مرحوم کو اللہ تعالیٰ کی طرف سے بہت علم میں نوبا گیا تھا
کہ اولاد کی پرورش اور تعلیم کیسے کیسے طریق پر ہونی چاہئے تھی۔ تم نے اگر کچھ ترقی کی
تو اپنے نفع اور والدہ کے زور سے۔ اور جاوید نے ابتک جسقدر تعلیم حاصل کی وہ ٹیوٹر
کے زور سے جسکو حاکس بعد بھائی صاحب چھوڑ گئے تھے۔ مجھکو امید ہے کہ جاوید تعلیم میں ترقی کرے
وہ بغیر ٹیوٹروں کے جماعت میں چل ہی نہیں سکتا۔ الحمدللہ کہ تمہارے کاروبار میں ترقی ہوئی
اور تم اپنی والدہ کی خدمت اچھی طرح کر سکو۔ میری صحت بہت بگڑ گئی تھی لیکن اب کسیقدر
بہتر صورت نظر آتی ہے۔ اگست اور ستمبر بہار (ہوٹل) کشمیر کے راستہ میں سے
جانیکا ارادہ ہے۔ پچھلے سال بھی کشمیر گیا تھا وہاں سے واپسی پر اٹک وہاں ٹھیرا تھا
کشمیر سے بھی بہتر دیکھا بہت اچھا نظارہ اور دل جسپ وغیرہ کا نظارہ نہ تھا۔
اگر برادر مرحوم زندہ رہتے تو اسکے سال مری جانیکا ارادہ ہو چکا تھا۔ اپنی والدہ کو نسبتاً دعا اور
دعا اور نیز خدا کے سبب پیار کہ دینا۔ تمہارے کام میں ترقی ہو گی

عطا محمد

سیالکوٹ
6.7.36

برخوردار شیخ آفتاب اقبال طال عمرہ

بعد دعا کے واضح ہو - تمہارا خط ملا مضمون معلوم ہو کر افسوس ہوا
جب کوئی ایسا امر کرنے چارہ نہیں کہ الف کا دروازہ کھٹکھٹایا جاوے
کیا تمہاری والدہ کے واسطے تم جانتے ہو کہ وظیفہ 250 ہے سے وہ
لوگ صرف 115 روپیہ ماہوار دینے کا اقرار کرتے ہیں یا بعض جواب دیتے
ہیں - اگر 115 دیتے ہیں تو تم 150 کا مطالبہ کرو - اگر وہ لوگ نہ
دیں تو پھر عدالت تک جانا مناسب ہے - اول 150 کا مطالبہ کرو
ورنہ پھر جیسا تم مناسب جانو ویسا کرو - ان لوگوں کو ڈاکٹر صاحب
کی آبرو عزت سے میرے خیال میں کوئی ہمدردی نہیں ہے - شکر الحمد للہ
واحد - اگر کسی کو موت کا خطرہ پیش آجاوے تو وہ تپ قبول کرنے
پر راضی ہو جایا کرتا ہے - ان لوگوں نے بھی الحمد للہ شکایت نہیں دی
کہ وظیفہ منظور ہو گیا ہے محض اس لئے کہ میں تمہاری والدہ مجبور ہے

برخوردار شیخ آفتاب اقبال طال عمرہ

بعد دعا کے واضح ہو - تمہیں اس سے ایک خط تمہارے خط کے جواب میں لکھا تھا ملا ہوگا
اگر ورثا ۱۵۰ روپیہ تمہاری والدہ کو دو بٹ تو دینے سے انکار کریں ۱۵۰ کا
مطالبہ کرنا چاہیں - اگر تمہاری والدہ کا گزارہ نواب صاحب کے وظیفہ کی بنیاد پر
ہوتا تو ۱۵۰ روپیہ تھا - لیکن تمہاری والدہ کا گزارہ ۱۵۰ جس سال سے والد مرحوم
نے مقرر کر دیا تھا اس وقت نواب صاحب کا وظیفہ نہ تھا - جبکہ ۳۰ سال سے ۱۵۰
انکی زندگی میں مقرر تھی تو مرنے کے بعد ۱۵۰ کیوں ہوں - ۱۵۰ روپیہ کیوں لیتے تو
ضرور تقاضا کرنا چاہیں وہ بیوہ کا حق ہے علاوہ اسکے ڈاکٹر مرحوم نے اپنی وصیت
میں اسکی کمی و بیشی کا ذکر تک نہیں کیا - اس بارہ میں اور مہر کے متعلق اگر ورثا
دینے سے انکار کریں اور مطالبہ عدالت تک پہنچے تو میں تمہاری والدہ کی امداد پر
ہونگی - میری رائے میں ۱۵۰ ماہوار تا زندگی اور بقایا مہر تمہاری والدہ کا حق ہے
اپنا حق وصول کرنا ہر طرح سے جائز ہے اسکے لئے گناہ یا بدنامی نہیں بلکہ بدنامی
نہ دینے والوں کی ہوگی - حدیث کا نشانہ وہی لوگ ہونگے - بیوہ کے ساتھ

ہمدردی عام ہوگی - بشرطیکہ تخمینہ ناقی نواب صاحب حیدر کے وظیفہ کا انتظار کرکے وقت

نباہ کیا - وکیل کی موت اور گذارہ ۵۰۰ ماہانہ کر دو اور جو جو صورت

ہوگی ویسے کرنا - میرا خیال ہے کہ باہم فیصلہ ہو جاویگا - مرنے کے بعد ہی دیکھا

جاویگا - میں بذات خود برادر مرحوم کی شہرت کو بدنام کرنا قطعی بھی نہیں ہوں

اگر مجھے بھی وصیت ہوتی تو ایسی حالت میں ۱۵۰ ماہوار اور میں بھی اپنی گرہ سے ادا کر

کرکے مرحوم کی شہرت کو بچاتا - مجھے ان کا ہمدردی سے ضرور دکھ ہوگا مگر ہوا سے

بھی اکثر ہمدردی ہے مرحوم کی زندگی میں مجھے میرا خیال تھا اور ان کو چھوڑ کر ان کو

کی حیات کا خیال کرتے ہیں بحر حال ایک انسان کو بیوہ سے ہمدردی ہونی چاہیے - بشرط

دیگر مرحوم کی شہرت کو بدنام کرنے کا فکر نہیں بلکہ محض انتقام لینے کی خاطر مجبور ہوں تاکہ

ایسا کرنا پڑا - اگر تمہارے مرحوم کی وصیت میں کچھ قانونی نقص معلوم ہو کہیں تو بہ

مشورہ چیف ایڈووکیٹ کے جو تم چاہو کرو - لیکن اول نقل وصیت اور ہبہ نامہ

رجسٹرار سے لیکر دیکھ لو - تو بھی نے متعلق ہدایت کیکر کی کارروائی نہیں ہو سکتی تم کرو

رہو - جاوید کی والدہ کے روپیہ سے جو روپیہ بنک میں جمع تھا کوٹھی تعمیر ہوئی تھی

26 ہزار آزادی اور ۲۰ ہزار کی تعمیر کی 44 ہزار فرنیچر وغیرہ پر کوٹھی ۵۰، ۵۵ ہزار تھا

برخوردار طاہر ہو ۔ پیارے بیٹے ایک قانون دان کا
خیال ہے کہ جب تک قرضہ ادا نہ کیا جاوے ہبہ ناجائز
ہو جاتا ہے ۔ اس قسم کے واسطے میعاد دعوی کا سال ہے
تم بھی قانون دان ہو گیا ہے یہ درست ہے قرض ادا نہ
کرنا اور اپنی جائیداد ہبہ کر دینا ہبہ کو ضرور ناجائز
قرار دینا ہوگا عقل بھی اسکو تسلیم کر لیتی ہے ۔ تمہارے
باپ کی دو بیوی ہزار کی جائیداد ہے جسکو انہوں نے
مرنے سے پہلے چار روز اول ہبہ کر دیا تھا ۔ بیوہ کا
مہر اور اس کا گزارہ تا زیست شرعی نکتہ نگاہ سے
خاوند کے ذمہ فرض ہوتا ہے ۔ جیسا اقرار بوقت نکاح
وہ کرتا ہے ۔ البتہ طلاق کی صورت میں وہ اس
فرض سے آزاد ہو جاتا ہے لیکن مہر پھر بھی اسکو دینا
پڑتا ہے ۔ اسی طرح وصیت میں بھی شخص مثلاً تمہیں
جاوید شاید میاں اور لگا تو وہ تمکو یہ سب کچھ دلا
کہ وہ باپ کی عزت اور شہرت کی حفاظت کرے
ورنہ بدنامی ساری خاندان کی ہو گی ۔ اسی طریق سے
تمہارا مطلب حل ہو جاوے تو تم بھی اور کچھ نہ دو تمہارا راضی

تو وہ باپ تھا تمہاری بھی اس سے بدنامی ہوگی۔ جہاں
تک ممکن ہو اس خیال کو ترک کرنا چاہئے۔ میں سفر
نہیں کر سکتا افسوس ہے۔

[illegible]

11/7/38

POST CARD

ADDRESS ONL
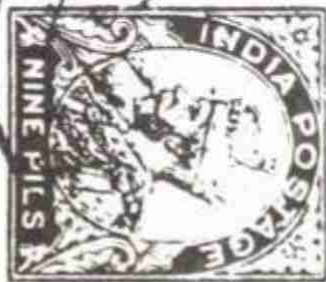
INDIA POSTAGE

NINE PILS

لاہور نمبر ۶ نکلسن بلڈنگ

شیخ آفتاب اقبال بیرسٹر ایٹ لا

Lahore

سیالکوٹ شہر

29-7-38

برخوردار شیخ آفتاب اقبال سلمہ

بعد دعا کے معلوم ہو - تم خود بھی قانون داں ہو اور دوسرے وکیلوں سے بھی دریافت کر کے
معلوم کرو کہ جاوید کی والدہ نے مرض الموت کی حالت میں اپنی جائیداد کوٹھی و زیور یا نقدی
تریسٹھ ہزار اپنے لڑکے جاوید کے نام ہبہ یا وصیت کر دی تھی - از روئے قانون
وہ ساری جائیداد ہبہ یا وصیت کر سکتی تھی یا اوسے 1/3 ہبہ کر سکتی تھی -
شرع محمدی تو 1/3 ہبہ یا وصیت کی اجازت دیتی ہے - لہذا اگر قانون انگریزی
شریعت کے مطابق 1/3 حصہ جائیداد کی اجازت دیتا ہے تو اس صورت میں 2/3 کا
مالک ڈاکٹر اقبال بحیثیت شوہر ہوتا ہے اور ڈاکٹر صاحب مرحوم نے اس جائیداد کو کسی کے نام نہ ہبہ کیا
اور نہ وصیت میں اسکا ذکر ہے - اس بنا پر تم اور تمہاری والدہ اس جائیداد سے اپنے
حقوق لے سکتے ہو - اگر قانون بھی 2/3 ڈاکٹر مرحوم کا حق تسلیم کرتا ہے تو تم کو اول
ہر لینے کا انتظام کرنا ہوگا خانگی طور سے یا بذریعہ عدالت دعویٰ کر کے اور اس دعوے کو
بذریعہ منصفی معلوم کیا جائے ورنہ میں تم کو کورٹ فیس کا انتظام کر دوں گا - فیصلہ ہونے
پر دعویٰ حق 1/3 کا جو از روئے شرع تمہاری والدہ کا 2/3 کے حصہ میں سے دعویٰ کرنا
اور اسکے بعد تم اپنے ترکہ کا دعویٰ کر سکتے ہو - ڈاکٹر مرحوم نے خود بھی جو ہبہ کر دیے

دو چار روز اول کیا ہے وہ بھی ناجائز ہوتا ہے - اول تو یہ اور قرضہ مہر اور
دوم وہ بھی ۱/۳ سے زیادہ کا ہبہ نہیں کر سکتے تھے - یہ جائیداد منقولہ کہ اوس میں سے
مہر ادا ہو سکے - ہبہ کی نقل لینے بعد ہم بتلا دینگے کہ انہوں کون کونسی چیزیں کمتی ہیں جو
دو بیٹی ملکیت تھی ہبہ نامہ میں درج نہیں ہوئی - اگر تمہارا مطلب حسب مراد قانون سے
نکل آیا یعنی سالم جائیداد کا ہبہ ناجائز ہوا تو پھر تم ڈاکٹر مرحوم کی بیٹی کہہ کر تمام حق
تعیف کی تقسیم کا دعویٰ بھی کر سکوگے - مرحوم نے تم کو تمہارے حق سے محروم عاق نہیں کیا۔
بہتر ہے تم اپنے اور والدہ کے حق کو بذریعہ قانونی نکتہ دریافت کرو - شریعت کا فتوہ تمہارے
والدہ اور تمہارے حق میں ہے - ایران کے علماء دین کے فتوے آگئے ہیں اور میں نے تم کو بتا دیا تھا کہ
فتوی حاصل کر لیا ہے اور اسی بنا پر یہ لکھا تھا - بہتر ہے نقل لیکر پڑھ دو - اور خود قانونی انگریزی کا
فتوہ معلوم کرو - میں بھی یہاں تک وکلاء سے دریافت کرونگا - بلکہ اگر کوئی فیصلہ وغیرہ کورٹ
کا بھی مل گیا تو اچھا ہوگا - افسوس ڈاکٹر مرحوم اور ان کا منشی قانون داں نہیں - انہوں نے ایسا
بگاڑ ایسی کوئی وجہ ضرور ہوگی جس کا پتہ نقل لینے کے بعد چلیگا - اگر قانون تمہارے
حق میں ہے تو کسی پر ظاہر نہ کرنا خاموشی اختیار کرنا۔

[illegible]

29/7/38

25.1.38

برخوردار طالب عمرکم – بعد دعا کے واضح ہو – تمہارا پہلا خط بھی ملا تھا اور
آج دوسرا بھی مل گیا ہے – مندرجہ معلوم ہو کر مجھے بڑی خوشی ہوئی – دیکھا تم نے یہ ہر شخص اپنے فائدہ
کے واسطے اقبال کے بچوں کے نام سے بھیک مانگ رہے ہیں حالانکہ اقبال نے کافی جائیداد اور
نقد روپیہ چالیس ہزار بچوں کے واسطے چھوڑا ہے – مزید اس پر کتابوں کا حق تصنیف جسکی آمدنی چار لاکھ
روپیہ ماہوار سے کم نہیں ہو سکتی – اس پر بھی اور حرص کرتے ہیں یہ شخص اپنے فائدہ کے واسطے
ہاتھ پاؤں مار رہے ہیں – تم ہر اگر حیدری اور دیگر وزرا سے سب حال مفصل کہدو کہ اقبال
نے بچوں کے واسطے روپیہ کافی چھوڑا ہے اور کوٹھی بھی عمدہ سامنے شہر لاہور کی چھوڑی ہے
اگر محروم رکھا ہے تو مجھے اور بیوہ کو – الوقت مجکو لنگر کا اچھا موقعہ ملا ہے – لڑکوں کو وظیفہ
نہ ملنے پر تمہاری والدہ کو یقیناً اچھا وظیفہ مل جاویگا – اللہ کا شکر اس طرح اور لوگوں کی امداد
کیا کرتے ہیں جنکو دوسرے لوگ بے پر چھوڑ جاتے ہیں – مجھے اس کے بعد بڑی خوشی ہوگی جس روز میں سنوں گا کہ
کہ تمہارے واسطے سلسلہ ملازمت حیدرآباد میں ہوگیا ہے اور تمہاری والدہ کا وظیفہ بھی مقرر
ہوگیا ہے – تمہارے پہلے خط کا جواب نہیں لکھا تھا امید کہ ملا ہوگا – میرا لکھا کرے دیں
ڈیڑھ کاغذ اور لفافہ کا دستخط بنایا کرو تم بھی ایک آنے کا ٹکٹ لگاتے ہیں اور مجھے خرید کر
روانہ کرنا پڑتا ہے ورنہ خط کا ایک تولہ سے زیادہ ہو جاتا ہے – اگر کاغذ اور لفافہ

مہمان خانہ سے نکلنے میں نا ہم ٹکٹ اور جرمانہ بھی دینا پڑتا ہے - مسٹر [illegible] نے نواب

بھوپال کی وعدہ خلافی کا ذکر کرتے ہوئے مرزا حیدری کو اکسایا ہے کہ اس جگہ میں اگر وہ

وظیفہ قبول کر دینگے - مگر سرکار بزرگ جہاں دیدہ آدمی ہیں وہ ایسے لوگوں کو خوب سمجھتے ہیں

وہ کسی کے چکمہ میں نہیں آسکتے - کوشش کرو کہ مسٹر [illegible] ناکام رہیں - یہ مسٹر [illegible] اقبال کی

خودی کو سستے داموں فروخت کر رہے ہیں - جو کچھ اقبال نے چھوڑا ہے وہ بچوں کے واسطے

کافی زیادہ ہے - البتہ حالی [illegible] جو خرچ ہے اوسکے واسطے گنجائش کم ہے

میرا خیال ہے یہ ادمی کے مشورہ سے [illegible] لگا گیا ہے خدا اوسکو غارت کرے - اقبال

کی خودی جبا وغیرہ تمام وہ کر کے بدنام کر رہے ہیں - تمہارا حیدرآباد جانا ان شاء اللہ

مفید ثابت ہوگا - میں اور تمہاری تائی تمہاری کامیابی کے واسطے اللہ تعالیٰ سے ہر روز دعا

کرتے ہیں - ضرور سے ملاقات کے موقعہ پر ایسی دلپذیر گفتگو کرو کہ اونکے دل میں گھر کر جاۓ

مسز حیدری سے وہی والدہ کی عمر اور [illegible] کہ اوسکے باپ [illegible] تمام زیور و ورثہ

[illegible] تمہاری تعلیم کے واسطے جمع کر دیا اور اب وہ بالکل نادار ہیں خاوند وغیرہ نے بھی اوسے

چھوڑ دیا اور میرا نام [illegible] کی صحبت میں جو میں اوسکی امداد کروں اس قسم کی گفتگو

عورتوں کے دل بہت نرم ہوتے ہیں [illegible] ضرور اوسکو ہمدردی ہو جاویگی - باقی پھر ہیں

خدا کے فضل سے خیریت ہے - خط ضرور لکھا کرو کامیابی کی تار دیکر ہمیں خوشی کا موقعہ دینا

عطیہ بیگم

[illegible]

کیمپ ٹنر
۳۰.۶.۵۸

برخوردار طاہر۔

بعد دعا کے واضح ہو۔ خط لکھنا کا حال معلوم ہوا۔ الحمد للہ تم کو جلد صحت ہو گئی میرے خیال میں میرا
بخار ہو گا جو زیادہ سے زیادہ تین چار یا ایک ہفتہ تک اتر جائیگا۔ انہوں کہانی میں زبان پر جرح کی
ہے اعجاز کو وہ انگریزی لفظ نقل کر دیے ہیں واقعی یہ الفاظ ہتک آمیز ضرور ہیں۔ میں نہیں کہہ سکتا
کہ اعجاز اپنا استعفیٰ نوٹ سر اکبر حیدری صاحب کو بھیجے گا یا نہیں۔ بیٹے تم نے خوب دیا ہو گا کہ تم
وظیفے کی حمایت کرو مگر ان الفاظ کو ناپسند کر کے اپنا استعفیٰ نوٹ بھیجو۔ کیا تم یہ کام خود
نہیں کر سکتے تھے جب سر اکبر حیدری نے وہ الفاظ تم کو لکھے تھے تم وظیفہ کی حمایت کرتے ہوئے ان
الفاظ سے اپنے باپ کی عزت کا خیال رکھکر اسکے خلاف لکھتے کہ مجھے ایسی گرانی ہوئی ہے حالت میں نہیں
جیسے ظاہر کی گئی ہے لیکن چونکہ جائیداد زیر تقسیم ہے اور لڑکی چھوٹی ہے کچھ عرصہ کے واسطے اوس کو
سرپرستی کی ضرورت ضرور ہے۔ لیکن جو الفاظ درخواست میں لکھے گئے ہیں یقیناً ان میں اپنے باپ
کی بے عزتی محسوس کرتا ہوں۔ میرے خیال میں سر اکبر حیدری نے وہ درخواست تم کو محض اس واسطے لکھوائی
ہو گی کہ تم اوس پر استعفیٰ کرو۔ اب بھی موقع ہے تو اپنے باپ کی عزت کی حفاظت کرو اور
بچوں کے وظیفہ کی حمایت کرو۔ میں تو یہ چاہتا ہوں کہ تمہاری والدہ کا وظیفہ ایکے وظیفے سے
پہلے منظور ہو جاوے تو بڑی خوشی کی بات ہو گی۔ غالباً درخواست تمہیں کسی نیک خیال سے کرنی ہو گی

سیالکوٹ شہر
9.10.38

برخوردار شیخ آفتاب اقبال طال عمرہ

بعد دعا کے واضح ہو۔ تمہارا خط ملا۔ مندرجہ معلوم ہوکر خوشی ہوئی۔ قبل اسکے
ایک خط اور تار بھی لکھا تھا پہنچا ہوگا۔ درد گردہ کے حملہ سے جس قدر کمزوری ہوگئی تھی
بفضلہ تعالیٰ رفتہ رفتہ اس کمی کو پورا کر رہی ہے۔ اب مجھے کوئی شکایت نہیں خدا کے فضل سے
صحت اچھی ہے اور گرمی بھی غریب ہے۔ میرا دل تم کو دیکھنے کو بہت چاہتا ہے تمہیں تم میں
اقبال کی تصویر نظر آتی ہے۔ حیدرآباد سے جب تم حسب مرضی فارغ ہو جاؤ تو تم یہاں
میرے پاس چند روز کیواسطے اگر ہر جگہ کہیں جانا ارادہ ہو جاتا۔ تمہارے اس خط نے
میری امیدوں میں اضافہ کر دیا ہے اور مجھے امید ہے کہ تم حیدرآباد سے خوش واپس ہوگے
ان ایام والے کیلوکے تو تم کو اطمینان ہو گیا ہے۔ اب تمہارا اپنا معاملہ باقی ہے وہ بھی
تمہاری حسب مرضی ظہور میں آجاوے گا۔ درد گردہ کا حملہ بہت سخت تھا اور میں زندگی
سے مایوس ہو چکا تھا اس وقت میرے دل میں حسرت تھی کہ نہ تم اور نہ اعجاز کوئی بھی میرے پاس
نہ تھا سوائے اقبال کے اس نے بیماری میں بڑی خدمت کی اللہ تعالیٰ نے مجھے کچھ اور مہلت دیدی ہے
تاکہ بوڑھی دیوانی کے عالم میں جو گناہ مجھ سے سرزد ہو چکے ہیں ان کی وجہ میں اس کمی کی
تلافی کر لوں۔ یہ محض خدا کے فضل سے ہوا ہے۔ ورنہ امید کم تھی۔ والدہ کو یاد سل

اعجاز نے خود وصول کر لیا تھا - وہ بھو شکر کو دہلی سے بذریعہ موٹر سوار ہو کر بھیج
کو سیالکوٹ ۱۲ بجے دوپہر کو پہنچ کر ۲ بجے اوس بعد کشمیر چلا گیا تھا - ۱۰ انشاءاللہ اکتوبر
کو دہلی پہنچیگا - اوسے دیکھکر بھی بڑی خوشی ہوی اوسکی صحت بہت اچھی تھی دہلی کی
آب و ہوا اوسکو اچھی موافق لگی ہے - امتیاز فی الحال میرے پاس رہیگا اوسکو بارہ
روز کی تعطیل میں جانے کیواسطے بھی منظور لیا ہے - حیدرآباد میں جسوقت تمکو یہ
خوشخبری ملے فوراً مجھے اطلاع دینا - میں بے صبری سے اوسکا انتظار کرونگا - واقعی
تمہاری طرف سے خوش خبریاں اسوقت میری صحت پر اچھا اثر کرینگے میری زندگی کی دلچسپی
اب تمہاری دلچسپی اور خوش زندگی پر منحصر ہے - اسقدر فائدہ مجھے بہتر سے بہتر غذا سے
نہیں ہو سکتا جسقدر تمہارے خوش گذران سے - معلوم جانے چاہئے تو میں تمہاری خانہ آبادی
دیکھکر اس دنیا سے رخصت ہونگا - خدا نے مجھے مہلت دیدی ہے اسی ہی روز خیر ہے
اپنی اولاد کیطرف سے تو میں فارغ ہو چکا تھا - فرض تمہاری اس خوشی میں شامل ہونا
باقی تھا - اللہ کرے تمہاری دوری کا اطمینان جسقدر جلد کوشش کردو تو یہ کام جلد سرانجام ہوگا
اور یہ میری کامیاب زندگی کی دلیل ہوگی -

عطا محمد
بازار ... دہلی
25/3/38

سیالکوٹ
13-3-36

برخوردار شیخ آفتاب اقبال طال عمرہ

بعد دعا واضح ہو۔ تمہارا خط مع جملہ حالات مفصل معلوم ہوئے۔ اللہ تعالیٰ تم پر رحمت کرے اور تمہاری تنگی کے دن فراخی سے بدل جاویں۔ اب بھی تھوڑی کمزوری ہے اور کوئی شکایت نہیں ہے۔ میں غالباً دو ماہ بیمار رہا۔ حالت نازک ہو گئی تھی لیکن اللہ تعالیٰ نے فضل کر دیا۔ تمہارے حالات معلوم ہو کر بھی بڑا افسوس ہوا شاید ابھی کچھ اور تم باقی ہوگی صبر کرو بعد صبر کا اجر اچھا ملیگا۔ مرزا جلال الدین کے ذریعہ ان سے گفتگو جاری رکھو تاوقتیکہ وہ صاف جواب نہ دیویں۔ ذرا نرمی سے کام لیکر اپنا مقصد حاصل کرنا چاہیے۔ اگر اس پر بھی کام نہ نکلا تو پھر اخیر میں معلوم دعویٰ ہو سکتا ہے۔ اللہ تعالیٰ کوئی سبیل ایسی کرے کہ افراط کے واسطے ہی پیدا کر دیگا۔ دعوے کے واسطے بنیاد کافی باقی ہے۔ بیتے تو عرصہ سے ان لوگوں نے خط کتابت چھوڑ رکھی ہے۔ مگر جاوید کے عنوان ابھی معلوم نہیں ہوتے جن بچوں کے سر پر کسی ایسے بزرگ کا سایہ نہ ہو جو ان پر رعب اور دبدبہ رکھے وہ بچے بہت آوارہ ہو جایا کرتے ہیں میں تو شاید اس وقت زندہ نہ ہوں گا مگر تم دیکھو گے کہ میرا قیاس کس قدر درست نکلتا۔ تم کو جب فرصت ہو تو ایک دو یوم کیواسطے میرے پاس آ جانا۔ چاہیے کہ اخبار کے پرائیویٹ اسٹاف میں ہی کوئی اچھی پوسٹ مل جائے جس سے ذرا سہولی تمہارا گزارہ ہو جاتا۔ میرے خیال میں شیخ عبدالرحمٰن صاحب سے اس قسم کی گفتگو کم ہوگی اگر کرتے تو وہ اپنے پرائیویٹ میں تم کو رکھ لیتے۔ راجوں مہاراجوں سے خوشامد بجائے کام نکلتا کرتا ہے اور وزیراعظم کو بھی ہاتھ میں رکھنا پڑتا ہے۔ خوشامد سے بڑے بڑے مقصد حل ہو جاتے ہیں۔ وقت کا خیال رکھ کر جو صورت ہو اس کے مطابق عمل کرنا چاہیے۔ میرا ارادہ اگست ستمبر میں ڈلہوزی پہاڑ پر جانے کا ہے اگر سفر کی ہمت ہوئی تو۔ ابھی کا سفر گنبد تکلیف دہ ہو جاتا ہے کمزوری اس کی برداشت نہیں کر سکتی۔

اپنی خیریت اور حالات سے اطلاع دیا کرو۔ میں تمہارے واسطے دعا کرتا ہوں اور اپنی تھوڑی سی زندگی میں تم کو خوش حال دیکھ کر اگر دنیا چھوڑوں تو یہ بڑی خوش قسمتی ہوگی۔ گھر میں خدا کے فضل سے سب لوگ خیریت سے اور سب تمہارے واسطے دعا کرتے ہیں

[illegible]

سیالکوٹ

۸-۵-۳۶

برخوردار شیخ آفتاب اقبال کو

بعد دعا واضح ہو - تمہارا خط پہنچا حال معلوم ہوا - تمہاری والدہ کا حق بقایا مہر لینا ہے
میرے خیال میں تمہاری والدہ نے جو ڈیڑھ ہزار روپیہ اپنے کفن دفن کے واسطے معرفت منشی طاہر دین کو دیا تھا
وہ بھی ایک ہزار بقایا مہر کا ہی حصہ تھا گو انہوں نے طاہر دین کو اسکے واسطے معلوم طور پر ہدایت کی ہو
لیکن یہ بھی دیکھنا ہے کہ کفن دفن میں ڈیڑھ ہزار نہیں خرچ ہوا تھا باقی حاجی ہدایت خرچ کی تھی۔ تمہاری والدہ کی
نیت تمہیں مہر دینے کی تھی ایک مرتبہ انہوں نے طاہر دین کی زبانی دریافت بھی کرایا تھا کہ بقایا مہر بھی کو
لیکن تمہاری والدہ نے لینے سے انکار کیا تھا - جبکہ وہ کچھ عیب الشعور ہنگ تھی کردہ لجایا نکلے
بھی دینے کو تیار تھی تو یہ ناممکن ہے کہ ڈیڑھ ہزار میں بقایا مہر شامل نہ تھا - افسوس ہے کہ تمہاری والدہ
عدالت کے ذریعہ بقایا مہر وصول کرنے پر مجبور ہے - ایسی صورت میں اگر وہ چاہیں تو بخشش بھی سکتی ہے
اگر مرحوم بقایا مہر دینے سے حجت کرتے ہیں تو اسا گناہ اونکے آگے ہوگی - عورت اونے بڑو
لیکن انہوں ایک مقدار کا حق ادا کرنے میں تنقید کیا - اعجاز کو تو پورا پورا یقین تھا کہ اگر تم
بذریعہ عدالت چارہ جوئی کرو تو ڈگری فوراً مل جاویگی - خراب جبکہ تم نے اس خیال سے کنارہ کشی کر
اللہ تعالیٰ پر چھوڑ دیا ہے تو انتظار کرنا چاہیے وہ خود انصاف کریگا - تمہارا اسا بدلہ کسی طرح ملیگا
یہ ایک شریفانہ خیال ہے اور میں اسکو پسند کرتا ہوں تمہاری تعریف کرونگا کہ تم نے باپ کی عزت اور وقعت کو

لگا ہی رکھا ہے۔ جاوید فیس ہوگیا ہے مگر ابھی کالج میں داخل نہیں ہوا۔ میرا خیال ہے کہ وہ علم سے کورا ہی
رہے گا اور کچھ شوق نہیں ہے اور کچھ فیاضیت ابھی سے یہاں آئی ہیں۔ طالب علم کو خوب کا خیال علم کا
شوق دلا کر ادھر لے جاتا ہے۔ دولت والے کا لڑکا یا جیسا باپ اولاد کے واسطے کافی سرمایہ چھوڑ
جائے وہ کبھی اعلیٰ تعلیم حاصل نہیں کر سکتے۔ وہ تو بدنام کنندہ نکو نامی چند کے مصداق ہو جاتے
ہیں۔ تم ضرور پڑھو تم کو محنت کرنا ہوگا اور ضرور تمہارے واسطے کوئی صورت نیک پیدا کرو گے۔ مصائب کا
حوصلہ سے مقابلہ کرنے والا آخر کامیاب ہو کر رہتا ہے۔ میری صحت ابھی بہت اچھی ہے اور اعجاز
کی والدہ کی صحت بھی ضرور فضل سے اچھی ہے۔ تمہاری طرف اور کا بڑا خیال رہتا ہے وہ
تمہارے واسطے ہر نماز کے بعد دعا کرتی ہے۔

ہو گیا ہے۔ ورنہ گرمی شروع ہوگئی ہے شکر ہے کہ تو میں جولائی میں مقام مری شریف تین ماہ کے واسطے
چلا جاؤں گا۔ لاہور اپنا بہت دفعہ ارادہ ہوا لیکن میرا دل نہیں چاہتا کہ تم یہاں جاؤں جب
بھی پیارا تھا وہ اب وہاں نہیں ہے۔ اللہ پاک تم کو مزید ترقی دیں۔ آمین

کبھی فرصت ملے تو اگر ممکن ہو

[illegible]

تمہارے باپ کا شعر ہے۔ انسانی زندگی کے واسطے۔ ہر صبح از خلد نگار جہاں جہت۔
گفتا کہ تھمیم ثمر امت او ثمر امت

ترجمہ یہ ہے کہ میں نے کسی پیر آدمی سے زندگی کے متعلق دریافت کیا
تو فرمایا۔ یہ ورانی شراب اگرچہ کڑوی ہوتی ہے لیکن اچھی ہوتی ہے جب جیسے کی زندگی تمام زندگی ہر وقت موت ہے

سیالکوٹ
9.5.36

برخوردار شیخ آفتاب اقبال کو معلوم ہو

بعد دعا واضح ہو۔ قبل اس کے ایک خط لکھ چکا ہوں پہنچا ہوگا۔ ابھی اعجاز کا خط بھی ملا ہے وہ لکھتا ہے
کہ تم نے ایک ہزار روپیہ اس غرض پر دیتے ہیں کہ آئندہ کوئی مقدمہ بازی جائیداد کے متعلق نہ ہو۔ تم خود
قانون دان ہو دادا مرحوم نے تمکو تمہارا حق نہ دینے کے واسطے قانونی کاروائی کو بہت کی ہوئی ہے
اگر اوس میں کچھ نقص ہے تو یہ لوگ تمہاری ناداری سے ناجائز فائدہ اٹھانا چاہتے ہیں۔ اور
تم سے دست برداری مانگتے ہیں۔ گویا اپنی عاقبت خراب کرتے ہیں۔ تم کیا ہمیشہ نادار رہوگے
اگر تمکو حق پہنچتا ہے تو جب تمہارے پاس روپیہ ہوگا بذریعہ عدالت لوگے۔ لیکن میری رائے میں تو
سارا جاتا دیکھیں تو آدھا دیجے بانٹ۔ فیصلہ کرلو۔ صاف اون سے کہدو کہ قانوناً میرا حق ہے
اگرچہ اسوقت میرے پاس دعوی کی ہمت نہیں ہے لیکن جب مجھے خدا دیگا دعوی کرکے لونگا۔ اسوقت
آپ میری ناداری سے ناجائز فائدہ اٹھا کر مجھ سے ارادہ کا مہر نہ دلویں۔ خدا سب کا داتا ہے
اگر میرا حق قانون کے یا شریعت کے رو سے ہے تو اللہ تعالیٰ خود مجھکو دلا دیگا انتظام کر دیگا۔
البتہ اگر اور کوئی قانون تمکو کوئی پھر اور کچھ نہیں پہنچتا یا مقدمہ بازی سے لینا خطرہ ہے

تو ایسی صورت میں جو ملے وہ لیلو اور الگ مقدمہ پر چھوڑدو - ضرور مقابل دیم کی حرمت ہی
یہی صورت پیش کرتی ہے - اگر تمکو یقین ہے کہ مقدمہ بازی سے تم کامیاب ہوگے تو
خاموشی رہو جب تمہارے پاس روپیہ ہوگا دعویٰ کردینا - البتہ اگر امید کم ہے تو بقایا پیرہ
روپیہ کی کوشش تمکو مقدمہ بازی اچھی نہیں معلوم ہوتی کیا ہو - پھر کامیابی تو یقینی ہے
اور کسی دیگر صورت ہو سکتی ہے - آئندہ تم بھی عقل رکھتے اور قانون دان بھی ہو جس کے
تمام سبب حاصل کرو - جب فرصت ملے تو دو چار اور کے واسطے اگر مل جاوے پھر دل لگو

[illegible]

کہ یہ انکہ تمہارا روپیہ تباہ ہو گیا ہے روپیہ حیدر کو کہ مقدمہ لڑنا ہے یا نہیں تمہارے
خط سے جو تم نے مجھ کو لکھا تھا مجھ تعجب ہوا تھا کہ تم میری رقم کا فیصلہ ہی فدر پر
چھوڑتے ہو جبکہ تو تمہارا ہی مال کا حق ہے - اگر مقدمہ لڑنا ہے تو مقابل خاموشی بہتر ہے
تم ہمیشہ نادار رہو گے اور غدر تمکو دیگا اور بہت دیگا - اور وقت و مہلت سے
مقدمہ لڑلینا -

برخوردار شیخ آفتاب اقبال طال عمرہ

بعد دعا واضح ہو۔ اللہ تعالیٰ کے فضل سے گھر میں سب طرح سے خیریت ہے اور میری صحت بھی
آجکل اچھی ہے۔ تمہارا خط ملا مفصل مضمون معلوم ہوا۔ یہ راز تو ابھی پردہ اخفا میں ہے
کہ ریاست کی طرف سے تمہارے ساتھ کیا سلوک ہوگا۔ آیا تمکو ریاست کے محکمہ تعلیم میں کوئی عہدہ
دیا جاویگا یا تمکو یک مشت رقم یا وظیفہ دیکر رخصت کر دیا جاویگا۔ اس امر کے ظاہر
ہونے پر جیسی کچھ صورت ہوگی سوچا جاویگا کہ تمکو آئندہ کیا کرنا ہوگا اور کس جگہ اپنا
کاروبار اور ہیڈ کوارٹر رکھنا ہوگا۔ اور یہ بات اگر وظیفہ ملا تو اوسکی مقدار پر منحصر ہوگی
بیرسٹری کیواسطے علاوہ کھانے اور رہائش کے پوزیشن بھی اونچی رکھنی پڑتی ہے علاوہ اسکے کوئی
دیگر ایک منشی بھی ضرور رکھنا پڑتا ہے۔ اسپر بھی کچھ عرصہ کام کرنیکے بعد کام چلتا ہے۔ میرے
خیال اگرچہ تم مجرد ہو ایسی حالت میں بھی تمہارے کھانے اور رہائش کا موجودہ خرچ اگر کفایت سے
رہو تو دہلی یا کراچی جیسے مقام میں دو ڈھائی سو سے کم نہ ہوگا۔ قانونی کتابیں خرید کیواسطے بھی
معقول رقم ہونی چاہیے۔ زمانہ کی حالت پر نظر کرتے ہوئے جنگ و جدل قریب آرہا ہے اگرچہ
فی الوقت انگریزی حکمت عملی سے وقت ٹل گیا ہے لیکن جنگ ضرور ہوگی اور خطرناک ہوگی
اس واسطے ہر ایک پاور پورے طور سے مسلح ہوکر رہیگی۔ اگر یہ حال ہوا تو مقدم

بازی ہی رک جاویگی - لہذا قانون ہمیشہ اخیال امن کی صورت میں مفید ہوتا ہے

کم سے کم اگر یورپ میں جنگ چھڑ گئی تو میرے خیال میں چونکہ یہ جنگ تھوڑی ہوگی ختم بھی

جلد ہوگی مگر سلسلہ ایسا درہم برہم ہوجاویگا کہ اوسکو اصلی حالت پر لانے کے واسطے

بہت وقت درکار ہوگا - اگر جنگ ہوئی تو زیادہ سے زیادہ دو سال کے اندر ہوگی - لہذا

تمکو دو سال تک بیرسٹری کے خیال کو دست بند رکھنا ہوگا - مجھے ہندوستان کی صورت حالات بھی

اچھی نظر نہیں آتی - اگرچہ آئینی قاعدہ کے واسطے ہندو اور مسلم میں جو نفاق پیدا ہو رہا ہے اوسکا

نتیجہ انگریز کے حق میں خراب نکلے گا - بہر حال الوقت تمہاری آئیندہ زندگی کے واسطے کچھ کہہ

نہیں جاتا تا وقتیکہ ریاست کیطرف سے جو سلوک تم سے ہونے والا ہے وہ ظاہر ہو - میں تو قریب

دیکھ رہا ہوں اور سچ تو میرے خیال سے کیا تمہارے رہائش کا سلوک ایسی قسم کا ہوگا جیسی توقع ہے

گویا آفتاب ہمیشہ سے مشرق سے نکلتا ہے لیکن اگر مغرب سے نکلے تو یہ بات کسقدر عجیب ہوگی

میں رنجیدہ ہوں کہ مجھے تمہارے خط کا انتظار رہتا ہے - قبل اسکے میں ایک خط لکھ چکا ہوں تمکو اچھا

خط ڈاک میں ڈالنے کے بعد معلوم ہوگا - میں خدا سے تمہاری بہتری اور خوشحالی کیواسطے اکثر دعا

کرتا ہوں -

[illegible]

اقبال [illegible]

[illegible]

جموں
25-6-39

برخوردار طالع ہو

بعد دعا واضح ہو - کل ایک خط مع دو خطوں کے روانہ کیا تھا پہنچا ہوگا - جو خط
چوہدری خوشی محمد صاحب کا بنام نواب مظفر خاں صاحب ہے وہ اول جنجوعہ صاحب کو جو لاہور میں
قزلباش فیملی کے وزیر کرتا دھرتا ہیں ملکر دکھلانا اور اونسے کہلانا کہ چوہدری صاحب کی
ہدایت تھی کہ یہ خط اول آپکو دکھلا کر بعد میں نواب مظفر خاں صاحب کو دوں اگر وہ لاہور میں
ہوں یا لاہور سے باہر ہوں اونکا نام ڈاک میں رجسٹر کر دوں - یہ سب کچھ اسواسطے
ہے کہ نواب مظفر خاں اور نواب نثار علی خاں صاحب قزلباش کا باہم گہرہ دوستانہ ہے اور نواب
نثار علی قزلباش انجمن اسلامیہ کے پورے سرپرست ہیں انجمن کو اونکا کہنا قبول
کرنا پڑتا ہے اگر یہ دو نواب تمہارے حق میں ہونگے اور ملک صاحب نے بھی امداد کی تو فیصلہ
تمہارے حق میں یقینی ہوگا - تھوڑی تکلیف اٹھا کر جنجوعہ صاحب کا پتہ معلوم کر کے اول اونسے
ملکر خط دکھلا دو اور بعد ازاں چوہدری صاحب کا خط نواب مظفر خاں کے نام پوسٹ کر دو

خواہ وہ لاہور میں ہوں یا لاہور سے باہر جس جگہ ہوں اونکا ایڈریس معلوم کر لو - البتہ اگر تم
پرسنلی اون سے ملاقات کرنا چاہو تو اگر وہ لاہور میں ہوں تو خود جا کر خط اونکو دیدو - جس طرح تم
پسند کرو ویسے کرو - میرا خیال ہے کہ نواب ذوالفقار علی خاں صاحب شملہ ہونگے یا کسی اور سرد جگہ پر گئے
ہونگے - قدرتی طور پر ایسا اتفاق ہوگیا ہے مجھے امید ہے کہ قدرت تمہارے لیے
سامان اچھا پیدا ہوگیا ہے اس سے بہتر اور کوئی نہیں تھا اپنے مقدور کے اختیار میں ہے انسانی
کوشش جہاں تک کافی تھی - اسمیں توقف اور سستی نہ ہونی چاہیے ایسا نہ ہو کہ تم سے اول وہ
کسی دوسرے سے وعدہ کر چکے ہوں - بہتر ہے تمکو کسی ملازمت سے کام مل جائے جس طرح بن پڑے
کر دو اور اطمینان سے انتظار کرو - معلوم نہیں مالیہ کمیٹی کب ہوگی اور فی الحال کمیٹی میں بالفعل
کتنی بک جاویگی - باقی خیریت ہے -

عطا محمد از بوریوالا

جس انجمن کی خدمت برادر مرحوم نے جوانی کے عالم سے لیکر تا بڑھاپے کی ہو اوس انجمن کو
لازم ہے کہ مرحوم کی خدمات کو یاد رکھنے کے لئے اونکی اولاد میں سے آفتاب اقبال اونکے بڑے اور لائق
لڑکے کو انجمن میں جگہ دیکر اونکے نام (اقبال) کو ہمیشہ زندہ رکھیں تاکہ آیندہ نسلوں کے دلوں میں بھی
مرحوم اقبال زندہ رہے - میں دو چار دن تک پھر تمکو خط لکھونگا ۔

عطا

یہ تمام خطوط تحریر کردہ اور دستخطی عطا محمد صاحب کے ہیں۔ ان سے بدیہی طور پر یہ بھی ثابت ہے کہ حضرت علامہ نے اپنی پہلی بیوی کو دین مہر سے محروم رکھا۔ اس پر عطا محمد نے بہت سخت غصہ کا بھی اظہار کیا ہے اور اپنے چھوٹے بھائی حضرت علامہ کے بارے میں بہت سخت الفاظ بھی ارقام فرمائے ہیں۔

ان سے یہ بھی ثابت ہے کہ وصیت وہبہ نامہ کے توڑنے کے لئے عدالتی چارہ جوئی کی بڑی شدت کے ساتھ رائے دے رہے ہیں، اور دیوبند سے ایک فتویٰ منگوا کر شرعی ضابطہ بھی تعلیم کر رہے ہیں۔ نیز ان خطوں سے یہ بھی ثابت ہے کہ والدۂ آفتاب اقبال اور آفتاب اقبال کی مالی حالت اُس زمانہ میں کمزور تھی۔ جس پر وہ ترس کھا رہے ہیں اور معذوری کا اظہار کر رہے ہیں کہ میں اس قابل نہیں ہوں کہ تمہاری مالی مدد کر سکوں۔ حالانکہ ان سے کبھی کسی نے مالی مدد نہیں چاہی۔ نیز ان خطوط سے یہ بھی ثابت ہے کہ آفتاب اقبال نے اپنی ماں کے پیسے سے تعلیم حاصل کی۔

ان خطوط سے یہ بھی ثابت ہے کہ جاوید اقبال کے متعلق نہ علامہ کوئی اچھی امید وابستہ کئے ہوئے تھے نہ خود عطا محمد جاوید اقبال کو اچھی نظر سے دیکھتے تھے۔

ان خطوط کے پیش نظر ہمیں افسوس کے ساتھ یہ بھی کہنا پڑتا ہے کہ حضرت علامہ کی وفات کے بعد عطا محمد نے پوری کوشش کی کہ علامہ کی اولاد مقدمہ بازی کے عذاب میں مبتلا ہو جائے۔ مگر آفتاب اقبال کی دانشمندی، سعادت مندی اور بالغ نظری نے اُن کو اُن کے دام فریب سے بچا یا۔

شیخ عطا محمد صاحب، برادر بزرگ علامہ اقبال رحمۃ اللہ علیہ

آفتاب اقبال

ایم اے (لندن) بیرسٹرایٹ لا

خلف الصدق

علامہ ڈاکٹر سر محمد اقبال رحمۃ اللہ علیہ

آفتاب اقبال صاحب کا مبلغ علمی

آفتاب اقبال حضرت علامہ اقبال کے بڑے صاجزادے ہیں، جو خان بہادر ڈاکٹر شیخ عطا محمد صاحب کے نواسے ہیں۔ آپ کی والدہ حضرت علامہ اقبال کی پہلی بیوی، خان بہادر صاحب کی بڑی بیٹی تھیں، جو حضرت علامہ کی وفات کے بعد ۸ سال تک زندہ رہیں اور ۱۹۴۶ء میں وفات پائی۔

آفتاب صاحب پنڈادن خاں ضلع شاہ پور میں ۱۸۹۹ء میں اپنی ننھیال میں پیدا ہوئے جہاں آپ کے نانا سول سرجن کی حیثیت سے قیام پذیر تھے۔

آپ نے ابتدائی تعلیم اسکاٹ مشن ہائی اسکول سیالکوٹ

یں حاصل کی اور یونیورسٹی کی تعلیم کے لئے آپ کو سینٹ اسٹیفن کالج دہلی بھیجا گیا۔ جہاں کہ مسٹر ایس۔ کے ردرا، جیسے قابل آدمی پرنسپل تھے جو آفتاب صاحب کے تعلیمی عہد میں کئی سال تک اس خدمت پر مامور رہے۔

آپ کو مسٹر این۔ کے سین اور مسٹر پی۔ این۔ مکرجی اور سی۔ ایف اینڈریوز جیسے علمی دنیا میں شہرت رکھنے والے پروفیسروں سے فلسفہ اور دیگر مضامین پڑھنے کے مواقع میسر آئے۔ مشن کالج دہلی میں علامہ اقبال نے اپنے بیٹے کو اس لئے بھیجا تھا کہ مسٹر این۔ کے۔ سین جن کی علمی قابلیت اور دلکش طرزِ تعلیم کی شہرت دہلی کے حدود سے نکل کر سارے ہندوستان میں پھیلی ہوئی تھی، حضرت علامہ کے ذاتی دوست تھے اور حضرت علامہ کی علمی، ادبی اور قومی خدمات کے مداح اور قدردان تھے،

آفتاب صاحب نے انہی کی سرپرستی میں بی، اے (آنرز) کا امتحان فلسفہ میں فرسٹ ڈویژن میں پاس کیا اور ۱۹۲۱ء میں انہی قابل اساتذہ کی سرپرستی میں فلسفہ میں آپ نے ایم، اے کیا۔ یہ قابل اساتذہ اس وقت جب دہلی یونیورسٹی نہ تھی سارے پنجاب و دہلی کے ممتحن بھی تھے۔ پھر آپ کو آپ کے ماموں اور نانا نے لندن بھیج دیا۔ ۱۹۲۳ء میں آپ نے لندن یونیورسٹی سے بی۔ اے آنرز کیا اور ستمبر ۱۹۲۴ء میں تحقیقات فلسفہ میں آپ نے

کمال حاصل کیا اور ماسٹر آف آرٹ کی ڈگری لی (BY RECERCH
OF PHILOSOPHY) پھر ۱۹۲۶ء سے ۱۹۲۹ء تک مدرسۃ السنۂ
شرقیہ لندن یونیورسٹی میں آپ اردو زبان وادب کے لیکچرر رہے۔
پھر آپ نے ۱۹۳۱ء میں لنکنس اِن لندن سے بیرسٹری پاس
کی۔ اس کے بعد آپ وطن واپس آگئے اور اسلامیہ کالج کلکتہ
میں انگریزی زبان وادب کے پروفیسر اور یونیورسٹی آف کلکتہ
میں فلسفہ کے لیکچرر ۱۹۳۳ء سے ۱۹۳۶ء تک رہے۔ پھر
آپ دوسری جنگ کے دوران گورنمنٹ آف انڈیا کے سپلائی
کے دفتر میں ڈائریکٹر کے عہدہ پر دو سال تک فائز رہے۔ پھر
آپ انگریزی زبان وادب کے اسلامیہ کالج لاہور میں
پروفیسر ہو گئے۔ ۱۹۴۱ء تک یہ سلسلہ جاری رہا۔

اس کے بعد یعنی ۱۹۴۲ء میں آپ نے پریکٹس بحیثیت
بیرسٹر لاہور ہائی کورٹ میں شروع کر دی اب ۱۹۴۷ء سے
بحیثیت بیرسٹر آپ مغربی پاکستان ہائی کورٹ کراچی میں
پریکٹس کر رہے ہیں۔

جب آپ لندن میں تھے تو بھارت کے مسٹر کرشنا مینن
اور مسٹر چھاگلہ جو اس وقت بھارت کے وزیر خارجہ ہیں، آپ
کے ہم عصر تھے۔

آپ دس سال تک اپنے لندن کی رہائش کے دوران

انڈین پالیٹکس میں خاص طور پر حصہ لیتے رہے۔

۱۹۳۰ء کو چیف انڈین ایسوایشن کے زیر اہتمام انٹر نیشنل پیلس ہوٹل لندن میں بصدارت مسٹر ریمزے میکڈ انلڈ ایک سیاسی جلسہ منعقد ہوا۔ یہ دراصل ایک ایٹ ہوم تھا، جس میں راؤنڈ ٹیبل کانفرنس کے تمام ممبران شریک تھے۔

اس جلسہ میں جناب آفتاب اقبال نے اپنے وطن ہندوستان کی طرفداری میں اور حکومت برطانیہ کے خلاف ایک زبردست تقریر کی۔ یہ تقریر لندن کے تمام اخباروں میں شائع ہوئی اور بہت سے اخبارات نے اس پر نکتہ چینی بھی کی۔ سابق وزیر اعظم حیدر آباد دکن مسٹر سر اکبر حیدری نے اس تقریر پر آپ کو ایک ہزار پونڈ انعام دیا اور آپ کی بڑی تعریف کی، حالانکہ وہ پرو گورنمنٹ تھے اور یہ تقریر ان کے نصب العین کے سراسر خلاف تھی آپ کی یہ تقریر بحیثیت صدر استقبالیہ تھی جس کا جواب معزز مہمانوں میں سے سر محمد شفیع نے دیا تھا۔

اس جلسہ کا قابل یادگار واقعہ یہ بھی ہے کہ سر ایڈورڈ میکلی گن گورنر پنجاب (جنھوں نے علامہ سر محمد اقبال کے لئے نائٹ ہڈ کے خطاب کی برٹش گورنمنٹ سے سفارش کی تھی) پروفیسر آفتاب کی تقریر سننے والوں میں شریک تھے، اختتام جلسہ

کے بعد سر ایڈورڈ آفتاب صاحب کو ان کے کندھوں پر ہاتھ رکھ کر علٰحدہ لے گئے اور نہایت شفقت آمیز لہجہ میں ان کی تقریر کی بڑی تعریف کی۔

پروفیسر آفتاب اقبال نے اکنامکس اور پالیٹکس میں اکنامکس کے مدرسۂ لندن میں بھی لیکچرز کا ایک کورس پورا کیا، جہاں انھیں مسٹر ہیرلڈ لاسکی، مسٹر گریگوری، مسٹر سرل ایسکوئتھ، مسٹر ڈاز ہکس، مسٹر ڈاکٹر اسپیر مین، اور پروفیسر ڈالٹن سے جو بعد میں برٹش لیبر پارٹی کے سرگرم وزیر بنے شرفِ تلمذ حاصل ہوا۔

آفتاب اقبال کے مذہبی و سیاسی عقائد:

پروفیسر آفتاب کے مَبلَغِ علمی کا حال مذکورہ سطور سے واضح ہوگیا۔ پروفیسر کو علمی ذوق اپنے باپ سے ورثہ میں ملا۔ مختلف علوم میں آپ کا مطالعہ بہت وسیع ہے بحیثیت بیرسٹر۔ ایٹ لا، آپ کی قانونی واقفیت بے مثل ہے اور امور مذہبی میں اپنے دادا اور نانا سے تربیت کا شرف حاصل کیا ہے۔

میں نے عقیدہ کے متعلق سوال کیا تو بیرسٹر صاحب نے فرمایا چونکہ میں نے علوم مذہبی، تفسیر قرآن حکیم، تشریح احادیث

رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم، توضیح مسائل فقہیہ کی تعلیم، اس طرح حاصل نہیں کی، جس طرح علوم مغربی، فلسفہ وقانون کو میں نے پڑھا ہے اور اس میں وقت گنوایا ہے۔ اس لئے میں مذہب کے کسی مسئلہ میں خواہ وہ اعتقادی ہو یا عملی مداخلت کرنے کا خود کو مستحق نہیں جانتا اور جس قدر مجھے تعلیم اس سلسلہ میں اپنے دادا شیخ نور محمد صاحب سے اور اپنے نانا، خان بہادر، حاجی حافظ عطا محمد صاحب سے حاصل ہوئی۔ اس میں مجھے کہیں کوئی شبہ وارد کرنے کا موقع محسوس نہیں ہوا، بلکہ جتنا میں نے غور کیا، مجھے اپنے مذہب کے اصول و فروغ نہایت صحیح معلوم ہوئے میرا اعتقاد ہے کہ اگر کوئی شخص اعتقادی مضبوطی اور علمی استقلال اور باضابطگی کے ساتھ ان پر عمل پیرا ہو تو وہ اخلاق و کردار کی حیثیت سے بڑا معیاری شریف آدمی کہلانے کا مستحق ہوگا اور اگر یہ شریف آدمی عملاً تجارت کے اصولوں پر کاربند ہو اور جہادی اسپرٹ بھی رکھتا ہو تو کوئی وجہ نہیں کہ ایسا شخص یا ایسے افراد یا ایسی قوم ابنائے عالم پر برتری نہ حاصل کرے میرے نزدیک میرا مذہب ابنائے عالم کی رہنمائی کے لئے آیا ہے دنیا کو بدکرداری سے۔ بچانے کے لئے آیا ہے دنیا کو شروفساد سے بچانے کے لئے آیا ہے۔ انسانی معاشرت کو

شرافت کے بلند ترین درجہ پر فائز کرنے کے لئے آیا ہے۔
آپ خود غور کیجئے کہ ایک شخص اتنا دلیر ہے کہ خدا کے سوا کسی کے آگے سر نہیں جھکاتا خدا کے حقوق پورے کرنا اپنی زندگی کا نصب العین قرار دیتا ہے۔ جھوٹ کو اپنی شرافت کی توہین سمجھتا ہے۔ بے اخلاصی اور ریاکاری کو کم ظرفی خیال کرتا ہے تجارت سے اور جائز طریقوں سے مال پیدا کرتا ہے اور متعلقہ حقوق ادا کرتا ہے۔ امانت میں خیانت کو کمینہ پن اور وعدہ خلافی کو نامردی یقین کرتا ہے حقوق ذات کا نگراں ہے۔ عزتِ مذہب و ناموس قوم کا جب سوال آئے تو وہ اس کے تحفظ کے لئے جان و مال کی قربانی دینے کے لئے سینہ سپر ہوجاتا ہے۔ کیا یہ میرے مذہب کی تعلیم کا خلاصہ نہیں ہے کیا مسلمان ایسے شخص کے علاوہ کسی اور کا نام ہوسکتا ہے۔ جب میں یہ دیکھتا ہوں کہ ابوجہل اور ابولہب جیسے کٹر کافر محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو دیوانہ کہتے ہیں۔ گالیاں کوسنے دیتے ہیں، لیکن آپ کو صادق اور امین ضرور مانتے ہیں تو مجھے یقین آتا ہے اور میرا نورِ ایمان کئی درجہ اونچا ہوجاتا ہے کہ میرے مذہب کی حامل ایک ایسی ذات ہے کہ جس کی صداقت و امانت کی گواہی اس کا بدترین دشمن بھی دیتا ہے۔ میرا رسولؐ اپنے بدترین دشمنوں کا بینک ہے

اور ایسا بینک ہے جو نہ روپیہ کسی کا کسی سے بدلتا ہے نہ کسی کا روپیہ اپنے ذاتی خرچ میں لاتا ہے۔ ان کے مال کی حفاظت کرتا ہے، لیکن ان پر احسان نہیں دھرتا وہ ترکِ وطن کرنے پر مجبور ہوتا ہے، لیکن سب کی امانتیں جوں کی توں واپس کر جاتا ہے حالانکہ یہ امانتیں رکھنے والے ہی من حیث القوم اس کے خون کے پیاسے ہیں۔ وہ اتنا عالی ظرف ہے کہ دشمن پر قابو پا کر اسے معاف کر دیتا ہے وہ اتنا سخی ہے کہ ساری قوم کو لونڈی غلام بخشتا ہے، لیکن نہ اپنے گھر کے لئے کوئی غلام رکھتا ہے نہ اپنی عزیز ترین بیٹی کو کوئی لونڈی دیتا ہے۔ وہ خدا پرستی کی تعلیم دیتا ہے تو خود اتنی عبادت کرتا ہے کہ اس کے مبارک پیر ورم کر آتے ہیں۔ وہ جہاد کی تلقین کرتا ہے تو خود رسد و کمک اور سامان جنگ کی پرواہ کئے بغیر میدانِ جنگ میں جا اترتا ہے۔ نقشۂ جنگ ایک فیلڈ مارشل کی طرح مرتّب کرتا ہے اور امور جنگ میں ہمہ وقت اپنے ساتھیوں کے ساتھ سایہ فگن رہتا ہے۔ زخموں سے چور ہوتا ہے، لیکن نہ ہمت ہارتا ہے نہ آہ و بکا کرتا ہے نہ استقلال اور ضبط و تنظیم کا دامن ہاتھ سے چھوڑتا ہے وہ اپنے ساتھیوں کے ساتھ ان سے زیادہ فاقے کرتا ہے اور جب کھانا ملتا ہے تو سب کو اپنے ساتھ کھلاتا ہے اور

اپنے سے بہت زیادہ کھلاتا ہے وہ سامان عیش اپنے حسنِ تدبیر سے فراہم کرتا ہے، لیکن سب اپنے ساتھیوں کو دے دیتا ہے۔ اپنے گھر میں بوریے کے سوا کچھ نہیں رکھتا، اتنا عظیم فیلڈ مارشل اور ایسا خوش نصیب فاتح نہ کسی سے سیلوٹ لیتا ہے نہ کسی سے تعظیم کراتا ہے۔ اپنے سپاہیوں کے ساتھ ایک معمولی سپاہی کی طرح زندگی بسر کرتا ہے۔ اور جب دنیا سے جاتا ہے تو نہ تو کچھ ورثہ اپنے پسماندگان کے لئے چھوڑتا ہے نہ اپنے اعزاو اقربا میں سے کسی کو اپنا جانشین بناتا ہے۔ ہاں اس کا اسوۂ حسنہ اس کی بہترین میراث ہے۔

میرے نزدیک اسی اسوۂ حسنہ اور میراث کا نام اسلام ہے۔ میرے نزدیک قرآن میرے رسولؐ کے اخلاق و کردار کی عظمت کا قصیدہ اور ضوابط حیات کا بہترین مجموعہ ہے اور اس مجموعہ کی بہترین تفسیر آپ کے ارشادات (احادیث) ہیں۔ آل رسولؐ اور اصحاب رسولؐ کی پاک زندگی اس کا عملی، ظاہری اور محسوس آئینہ ہے جس میں ہر مسلمان اپنے عمل بالمذہب کے خدوخال تا قیام قیامت دیکھتا رہے گا۔

مجھے فخر ہے کہ اس مقدس پیغمبر کا ادنیٰ امتی ہوں اور

اس کے خدا کے فرمان اور خود اس کے ہر ارشاد پر ایمان رکھتا ہوں۔ آل رسول اور اصحاب رسول کا آئینہ اپنے مذہبی خدوخال کی اصلاح کے لئے عام طور پر اپنے پیشِ نظر رکھتا ہوں اور اس پر فخر کرتا ہوں۔

میں نے بے شک اللہ کے حقوق کی ادائیگی میں کوتاہیاں کی ہوں گی، لیکن بندوں کے حقوق میں نے کبھی غصب نہیں کئے۔ میں کبھی جھوٹ نہیں بولتا، حالانکہ وکالت میرا پیشہ ہے۔ میں نے نہ کبھی کسی سے مدد طلب کی نہ میں کسی کا زیر بار احسان ہوں بجز اس کے کہ میرے والدین نے میری پرورش کی، دادا، دادی، اور نانا، نانی نے مجھے تربیت دی میرے ہندوستانی اور انگریز استادوں نے مجھے تعلیم دی میں نے نہ کبھی سگریٹ کو ہاتھ لگایا نہ شراب کو منہ لگایا۔ میں اپنے عظیم باپ علامہ ڈاکٹر سر محمد اقبال کا پہلا بڑا بیٹا ہوں اور اس لحاظ سے میں اپنے آپ کو بڑا خوش نصیب سمجھتا ہوں کہ مجھے اپنے باپ اور اپنے دادا کی صحبت میں رہنے کا زرّیں موقع ان کی اولاد میں سب سے زیادہ حاصل ہوا۔ بلکہ میں تو یہ کہوں گا کہ میں ہی علامہ اقبال کا واحد بیٹا اور شیخ نور محمد صاحب کا واحد پوتا ہوں جس نے عہدِ طفلی سے لے کر سن شعور تک اپنے دادا کے اخلاق و کردار اور تعلیم و تربیت سے پورا پورا فائدہ اٹھایا

اور صرف میں ہی علامہ اقبال کی واحد اولاد ہوں جس نے علامہ
کے استاد شمس العلماء مولوی صوفی میر حسن صاحب سے
پند نامۂ فرید الدین عطار وغیرہ پڑھنے کا شرف حاصل کیا۔
اور ان جیسے سراپائے زہد و تقوی بزرگ کی زندگی کے پاکیزہ
و سادہ پروگرام کے مطالعہ سے سرافراز ہوا۔

یہی وہ اسباب ہیں جن کی بناء پر مذہبی نقطۂ نظر
سے میں پکا حنفی المذہب مسلمان ہوں۔ اور صوفی المشرب
ہوں اور اپنے باپ دادا اور نانا کے جادۂ عمل پر نہایت
مضبوطی کے ساتھ قائم اور گامزن ہوں اور اپنے والد کے
فرمان کے عین مطابق :

اگرچہ سر نہ تراشم قلندری دانم

میں نے سوال کیا کہ حضرت علامہ اقبال نے آپ کو
اور آپ کی والدہ ماجدہ کو اپنے ترکہ میں سے کچھ بھی نہ
دیا، حتیٰ کہ آپ کی والدہ ماجدہ کا دین مہر بھی ادا نہ
کیا اور اپنا تمام مال و زر آپ کے چھوٹے بھائی جاوید
اقبال اور آپ کی بہن منیرہ کو دے گئے۔ یہ ناانصافی
حضرت علامہ اقبال جیسے شاندار انسان سے کس طرح
ظہور میں آئی۔ اہل نظر اس پر انگشت بدنداں ہیں کہ اسے
کیا کہیئے۔ تو آپ نے اس کا جواب نہایت تفصیلی دیا جو حسب ذیل ہے۔

آپ نے فرمایا کہ میرے والد نے میرے نزدیک یہ کوئی غلطی نہیں کی۔ وہ بے شک مجھے اپنے مالی ترکہ سے ضرور محروم کر گئے، لیکن ان کے علمی و ذہنی ترکہ کا بہت بڑا حصہ مجھے قدرت نے ودیعت فرمایا۔ میرے والد جانتے تھے کہ میں خان بہادر ڈاکٹر حافظ حاجی عطا محمدؒ صاحب صاحب جیسے شاندار نانا کا نواسہ ہوں، جن کے پاس عزت کی دولت کے ساتھ دنیا کی دولت بھی بہت ہے۔ گاڑی گھوڑے نوکر چاکر سب کچھ اللہ نے ان کو دے رکھا تھا۔ میری زندگی شاہزادوں کی طرح بسر ہوتی تھی۔ پھر میں بیرسٹری پاس کر کے لندن سے واپس آچکا تھا۔ اپنی زندگی بنانے کے لئے میرے پاس جوانی تھی، قابلیت اور صلاحیت تھی۔ اُنھوں نے مجھے بے سہارا چھوڑا اور یہی چیز میرے لئے مفید ثابت ہوئی۔ عزم امور کی صلاحیت و استعداد مجھے خدا نے مرحمت فرمائی۔ الحمدللہ میں پیش آمدہ مشکلات پر قابو پانے کے بعد آج سے بہت پہلے سے اس قابل ہوں کہ دوسروں کی مدد کر سکوں۔

اپنی پہلی زندگی کی طرح آج بھی میں نہایت فارغ البال ہوں، شاندار زندگی بسر کر رہا ہوں۔ خدا گواہ ہے یہاں تک پہنچنے میں نہ مجھے مذہب بدلنا پڑا نہ اپنی شرافتِ خاندانی اور ضمیر کے خلاف کچھ کرنا پڑا۔ البتہ اپنے عظیم باپ کے

استقلال کی طرح مجھے بھی استقلال سے کام لینا پڑا۔ رہیں میری والدہ سو وہ تو بڑی شاندار عورت تھیں۔ صحیح معنی میں خان بہادر عطا محمد کی بیٹی اور علامہ اقبال کی بیوی تھیں، اپنے پدری سرمایہ کا ایک ایک پیسہ انھوں نے میری تعلیم پر خرچ کر دیا اور تکلیف مالی سے دوچار ہونے کے باوجود جب میرے چچا اور بہت سے لوگوں نے ہمیں سمجھایا کہ تم کورٹ کا دروازہ کھٹ کھٹاؤ یہ وصیت و ہبہ نامہ غیر قانونی ہے ٹوٹ جائے گا تو میری والدہ نے اس تجویز کو اپنے شوہر کی توہین و رسوائی کا سبب جان کر مجھے ہمیشہ نصیحت کی کہ اگر تم نے اس قسم کا کوئی قدم اٹھایا تو مجھ سے بُرا کوئی نہ ہوگا۔ میں تمہارا دودھ نہ بخشوں گی۔ اور خدا کا لاکھ لاکھ شکر ہے کہ میرے دل میں بھی ایک لمحہ کے لئے کبھی اس قسم کا خیال نہیں آیا۔ اسی لئے نہ آج تک کسی سے کچھ کہا اور نہ کچھ کیا۔

عام طور سے جو لوگ دوسری بیویاں کرتے ہیں ان سے حق تلفی کی غلطی ضرور ہو جاتی ہے، لیکن میں اپنے والد کا شکر گذار ہوں کہ انھوں نے جو کچھ کیا کئی اعتبار سے صحیح کیا۔ اول تو ایسا کرنا میری حوصلہ افزائی کا موجب ہوا، دوسرے یہ کہ میرا بھائی جاوید ایک نِکاحتا بیوی کی اولاد ہے، جس کے پاس نہ کوئی خاندانی خصوصیت تھی نہ مالی پوزیشن، نہ یہ

چیزیں دوسری بیوی کرنے والے کو مطلوب ہوتی ہیں۔ پھر جاوید کی عمر والد کی وفات کے وقت کل گیارہ سال تھی اور منیرہ اس سے بھی بہت چھوٹی۔ اگر والد نے ان کے لئے یہ بندوبست کیا تو بہت اچھا کیا۔ ان کو ان معصوموں کے لئے جن کی نہ ددھیال میں کوئی کفالت کرسکتا تھا نہ ننھیال میں، جاوید کا ماموں تھا سو وہ بے چارہ ایک قالین والے کی دوکان پر ملازم تھا کچھ دن بعد وہ بھی وفات پاگیا تھا۔ بہر حال مجھے اپنے ان بھائی بہن سے محبت ہے الحمدللہ وہ خوشحال ہیں، اللہ انھیں خوشحال سدا رکھے۔ میں ان کا دل سے بہی خواہ ہوں اگر ان کو خدا نخواستہ کسی مدد کی ضرورت ہوتی تو دنیا دیکھتی کہ میں پورے وسعت حوصلہ کے ساتھ ان کی ہر قسم کی مدد کرتا۔ میرے دل میں کبھی ان کے لئے کوئی برائی پیدا نہیں ہوئی۔ میں ان کی فراغبالی اور اطمینان سے بہت خوش اور مطمئن ہوں۔ میرا دعویٰ ہے کہ اگر اللہ نے ہمارے خاندان میں دوسرا کوئی اقبال کبھی پیدا کیا تو وہ اقبال ہی کی اولاد میں سے کوئی ہوگا۔ میرے چچا عطا محمد کی اولاد میں سے ہرگز نہ ہوگا۔ الحمدللہ میرے دونوں بھائی بہن بھی سچے مسلمان ہیں، قادیانی نہیں ہیں۔ عطا محمد کی اولاد اقبال اقبال کی مالا جپتی ہے، لیکن اقبال کی تعلیم اور مذہب کے خلاف

قادیانی مذہب رکھتی ہے۔ ہمارے بزرگوں نے بت پرستی چھوڑ کر خدا پرستی اختیار کی تھی اور دین اسلام کی فرمانبرداری میں نام پیدا کیا تھا، لیکن عطا محمد نے اس خوشنما تبدیلئ مذہب میں عیب لگا دیا۔ محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے رشتہ کاٹ کر میرزا غلام احمد سے رشتہ جوڑ لیا، جس نے انگریز کی تائید میں اسلام سے جہادی اسپرٹ کو فنا کرنے کی زندگی بھر کوشش کی اور انگریز سے صلہ پایا۔ میرزا غلام احمد نہ ہمارے دادا کا نبی تھا نہ ہمارے باپ کا۔ اس لئے خواہ کوئی ہمارا چچا ہو یا اس کی اولاد، اگر وہ میرزا غلام احمد کو نبی مانتا ہے تو ہم سے، ہمارے آباؤ اجداد سے ہمارے مذہب سے اس کا دور کا واسطہ بھی باقی نہیں۔

میں اس کتاب کی اشاعت کی نوبت کبھی نہ آنے دیتا اگر بعض نادان دوست حضرت علامہ کی زندگی کا یہ پہلو اجاگر کرنا ضروری نہ سمجھتے جس میں میری دل آزاری اور میری والدہ کی رسوائی کے سوا ہرگز ان کا کوئی مقصد نہیں۔

میں نے سوال کیا کہ پاکستان کی صدارت و حاکمیت کے بارے میں آپ کی رائے کیا ہے؟

آپ نے فرمایا کہ میں واضح الفاظ میں یہ کہنے میں شرم محسوس نہیں کرتا کہ میں کسی ملک کی صدارت و ولایت

کے لئے کسی عورت کو موزوں نہیں سمجھتا خواہ وہ کیسی ہی نسبی
شرافت اور کیسی ہی ذاتی استعداد و فضیلت کی مالک کیوں
نہ ہو۔ میرا ایمان ہے ؎

جس قوم نے اس کی حقیقت کو نہ جانا
اس قوم کا خورشید بہت جلد ہوا زرد

بلاشبہ :

نسوانیت زن کا نگہباں ہے فقط مرد

جس جنس کو اپنی بقار و حفاظت کے لئے کسی دوسری
جنس کی ضرورت و احتیاج ہو وہ کروڑوں زن و مرد پر مشتمل
آبادی والے ملک پر ہرگز صدارت و ولایت کے لئے موزوں
قرار نہیں دی جاسکتی ۔ مادرِ ملّت فاطمہ جناح کی برتری کے لئے
یہی چیز بہت کافی ہے کہ وہ قائد اعظم جناح کی بہن ہیں، میں
ان کا بڑا احترام کرتا ہوں، لیکن صدارت پاکستان کے لئے
ان کا انتخاب واحد غلطی ہوتی جو پاکستان کی تباہی و بربادی
کے لئے کافی ہوتی ۔ اس لئے کہ انتخاب کے بعد وہ عناصر برسر اقتدار
آجاتے جو غرض کے بندے بھی ہیں اور تنظیمی و حکمرانی کی صلاحیت
سے بھی یکسر محروم ہیں۔ مادر ملّت فاطمہ جناح ان کے ہاتھوں میں
ایک کھلونا ہوتیں ۔ یہ خود عہدوں کے لئے آپس میں دست و
گریباں ہوتے اور پورا ملک انتشار سے ہمکنار اور طوائف الملوکی

کا شکار ہو جاتا اور بھارت ماہِ ستمبر ۱۹۶۵ء سے بہت پہلے پاکستان پر چڑھ دوڑتا اور بہت ممکن تھا کہ ہماری گردنوں میں اس کی غلامی کا طوقِ کبھی کا پڑ چکا ہوتا اور تاریخ لکھی جاتی کہ ملک پاکستان کو جس شخص نے بنایا تھا، اسی کی بہن نے اسے برباد کر ڈالا۔

آپ کو یاد ہوگا کہ اسی خطرہ کے پیش نظر اتاترک مصطفےٰ کمال پاشا نے اپنی قابل اور ذہین۔ اور محبوب بیوی کو طلاق دے کر اپنے سے علیحدہ کر دیا تھا تاکہ وہ ان کی موجودگی میں امور مملکت میں رائے زنی نہ کر سکے اور ان کے بعد مادر ملت بن کر اپنی فطری نسوانی کمزوری کے باعث باعث ملکی آزادی کو برباد نہ کر دے۔

تمام اسلامی تاریخ ایک بھی ایسی نظیر پیش نہیں کر سکتی، ملکویت خواہ بنوامیہ کی ہو یا بنوعباس کی یا سلاطین مغلیہ کا ہفت صد سالہ دور ہو، کسی عورت کے سربراہ مملکت ہونے کی مثال کسی کی تاریخ میں نہیں پائی جاتی۔ سلطانہ رضیہ اور چاند بی بی کا شاید حوالہ دیا جائے تو اس کا حوالہ دینے سے قبل اس کے انجام پر نظر ڈال لینی چاہیئے

ماہِ ستمبر ۱۹۶۵ء کی قیامت کبریٰ کا اندازہ لگائیے اور ایمانداری سے فیصلہ کیجئے کہ اگر اس نازک وقت میں

ملک کی عنان حکومت مادرِ ملّت کے نازک ہاتھ میں ہوتی تو اس کا انجام کیا ہوتا؟

میں ان لوگوں کو چیلنج کرتا ہوں جو آج کل بھی نعرہ لگا رہے ہیں کہ جس حکومت کو عوام کی تائید حاصل نہیں ہوتی وہ برقرار نہیں رہتی۔ یہ براہ راست پاکستان کی موجودہ صدارت پر اعتراض ہے۔ میں اعتراض کرنے والوں سے پوچھتا ہوں کہ وہ اس وقت صدر ایوب کے علاوہ کس کی حکومت میں رہنا پسند کرتے ہیں؟ وہ مجھے اس شخصیت کا نام نامی بتائیں، جسے اکثریت کے ساتھ رائے عامہ کی طاقت حاصل ہو۔ مادرِ ملّت فاطمہ جناح کے موید بن اپنے ذاتی مفاد کیلئے ان کی تائید کر رہے ہیں اور یہ سب حضرات یا ان کی اکثریت کونسل مسلم لیگ میں جمع ہے کیا وہ عہدوں کے لئے یہاں نبرد آزمائی نہیں کر رہے، کیا کونسل مسلم لیگ کو عوام میں وہ مقبول بنا سکے، کیا وہ کونسل مسلم لیگ کو انتشار سے پاک کر سکے؟

میں فیلڈ مارشل محمد ایوب خاں صدر پاکستان کو فرشتہ نہیں سمجھتا۔ بشریت سے خالی نہیں جانتا، لیکن پاکستان کی صدارت کے لئے (بہت سے دوسروں کے مقابلہ میں بہترین اور) موزوں ترین شخصیت مانتا ہوں۔ خطرات جنگ ہم پر اپنی

پر چھائیاں ڈال رہے ہیں۔ ان خطرات کو دفع کرنے کے لئے واحد شخصیت صدر ایوب کی خدا کی طرف سے ہم کو عطا ہوئی ہے۔ اس شخصیت کی موزونیت اور بے پناہ مضبوطی کی دھونس کا حال ان دشمنوں کے دل کی کتاب کھول کر دیکھو جو پاکستان کی تباہی کو اپنے دین دھرم کا مقصد وحید قرار دیتے ہیں اور اس مقصد کے حصول کے لئے سر دھڑ کی بازی لگا رہے ہیں اور ہتھیار اور غلہ کی ساری دنیا سے بھیگ مانگ رہے ہیں۔ پاکستان کے دشمنوں کی دو قسمیں ہیں ایک قسم پاکستان کے اندر موجود ہے اور ایک بیرون ملک۔ دشمنان بیرون ملک کی سرکوبی کے لئے میرا ملک پوری طرح تیار ہے اندرون ملک جو دشمن ہیں جو رائے عامہ کو موجودہ حکومت کے خلاف یہ کہہ کر برانگیختہ کر رہے ہیں کہ حکومت عوامی نہیں ہے، اس کی بنا ظلم و ستم پر ہے ان کی تردید ہر پاکستانی کا فرض ہے۔ ہر پاکستانی کو اپنی قوم کی اپنے ملک کی بقاء کے لئے لازم ہے کہ وہ غلط پروپیگنڈے کا شکار نہ ہو۔ میں اس وقت ضروری سمجھتا ہوں کہ اپنے تمام بیانات کا جو میں نے الیکشن کے موقع پر انگریزی اور اردو میں دیئے ہیں اس کتاب میں اعادہ کروں تاکہ غلط پروپیگنڈے کا جواب پروپیگنڈے سے ہو جائے۔ یہ بیانات

کتاب ہذا کے آخری باب میں ملاحظہ فرمائیں۔ سر دست ایک اور سوال کا جواب ملاحظہ کیجئے۔

میں نے سوال کیا کہ بنیادی جمہوری نظام کے بارے میں آپ کی کیا رائے ہے، عام طور سے لوگ اس کے شاکی ہیں۔ (مؤلف)

آپ نے فرمایا: میرے نزدیک یہ نظام اصلاح طلب ہے۔ اس میں بی ڈی ممبر اور چیئرمین شپ کے لئے شرائطِ انتخاب میں کسی کوالی فکیشن کو ضروری نہیں سمجھا گیا ہے۔ اس کا ایک نتیجہ تو یہ ہے کہ حکومت کا یہ معاون طبقہ جاہلوں سے پُر ہو گیا ہے۔ دوسرے یہ کہ پڑھے لکھے لوگ اَن پڑھ چیئرمین کے سامنے اپنے معاملات پیش کرنے میں شرم محسوس کرتے ہیں اور یہ نظام مقبولیت کی حد تک غالباً کبھی بھی نہ پہنچ سکے گا۔

تیسرے یہ کہ جاہل چیئرمین انصاف کرنے کے ناقابل ہیں۔ میں درخواست کرتا ہوں کہ ابھی یا آئندہ الیکشن کے وقت حکومت اس کمزوری کو دور کرنے کی ضرور کوشش کرے تاکہ جو اس نظام کے قیام کا مقصد ہے زیادہ عمدگی اور استحکام کے ساتھ پورا ہو۔

کسی قدر چیئرمین کی جہالت کا علاج یوں بھی ہو جاتا اگر

فریقین اپنے مقدمات میں باقاعدہ وکیلوں کو پیش کر سکتے، لیکن وکیلوں کو پیش ہونے کی بھی اجازت نہیں دی گئی۔ اس لئے نہ درخواست باقاعدہ ہوتی ہے نہ سماعت باقاعدہ نہ فیصلہ قرین انصاف ـــ فی الحال یہ نظام میرے نزدیک جرگے اور پنچایتی نظام سے بھی بُرا ہے۔ اور اگر ضروری اصلاحات کر دی جائیں تو یہ موجودہ ومروجہ مجسٹریٹوں اور ججوں کی عدالتوں سے بھی بہتر اور آرام دہ ہے۔ پبلک کو اس سے وقت کی بچت کورٹ فی کی بچت کے علاوہ اور بہت سے وہ فوائد پہنچ سکتے ہیں، جن کے لئے اس نظام کا قیام عمل میں لایا گیا ہے۔ میں اس نظام کا ضروری اصلاحات کے بعد پُر زور موید ہوں۔"

مملکت پاکستان میں سب سے بڑی صرف دو شخصیتیں گذری ہیں۔ ایک قائداعظم جناح کی، ایک رہنمائے اعظم علامہ اقبال کی۔

اول الذکر کی کوئی اولاد پاکستان میں موجود نہیں۔ حضرت علامہ کے دو قابل صاجزادے موجود ہیں۔ ایک بڑے پروفیسر اور بیرسٹر آفتاب اقبال، دوسرے چھوٹے ڈاکٹر جاوید اقبال۔

حیرت ہے کہ ان دونوں کو مملکت پاکستان میں

کوئی مقام حاصل نہیں۔

بڑے صاحبزادے جو ماشاء اللہ سن رسیدہ علم و عمل، صورت و سیرت کے اعتبار اپنے والد علامہ اقبال کا بہترین نمونہ ہیں اور ان کا کردار عیب سے مبرا ہے۔ فلاسفی میں پروفیسر ہیں۔ بیرسٹر ایٹ لا ہیں، زبردست انشا پرداز اور لاجواب مقرر ہیں۔ ان کی ہر بات پاکیزہ ہر عمل پسندیدہ ہے جنھوں نے اپنے عہد طالب علمی میں سرزمین یورپ میں بہترین قومی و ملی خدمات انجام دی ہیں اور اہلِ یورپ کے دلوں میں اپنے زور قلم، اپنی قوت گویائی اور قابلیت کے نقوش مرتسم کئے ہیں۔ جن کو اپنی عمر کے ۳۹ سال تک اپنے والد حضرت علامہ اقبال سے اور تیس سال تک شیخ نور محمد صاحب اور حضرت علامہ کے اور اپنے استاد گرامی حضرت مولانا میر حسن شاہ صاحب سے علمی، روحانی و اخلاقی فیوض و برکات حاصل کرنے کے زرین مواقع حاصل ہوئے۔ اہلِ ملک ان کے "تلقین وارشاد سے کیوں محروم ہیں۔

وہ حضرات خصوصیت سے غور طلب ہیں جو خود کو اقبال کا شیدائی کہتے ہیں۔ اقبال کو خراج تحسین پیش کرنے اور ان کی تعلیم کو عام کرنے کے لئے جگہ جگہ جلسے اور کانفرنسیں منعقد کرتے ہیں، لیکن اقبال کی قابل اولاد کو درخور اعتنا نہیں سمجھتے

کیا اس وجہ سے؟ کہ ان کی شرکت کے بعد ان کی چودھراہٹ ختم ہوجائے گی؟ اور سارا کریڈٹ اور تمام داد و تحسین کا حق علامہ اقبال کی قابل اولاد کے سوا کسی دوسرے کے لئے باقی نہ رہے گا۔

اگر یہ تنگ خیالی یا خود غرضی اس غلط اقدام کا سبب ہے تو ایسے لوگوں کا اقبال کے ساتھ دعوائے محبت واخلاص اور نیک نیتی پر مبنی نہیں مانا جاسکتا۔ اقبال سے محبت اور اقبال کی اولاد سے نفرت؟ اب کے اقبال ڈے کے موقع پر کراچی کی پبلک نے اس بوالعجبی کو خاص طور پر محسوس کیا۔

آفتاب اقبال جو کراچی ہی میں سکونت گزیں ہیں، اگر اقبال ڈے کی تقریب میں شرکت کرتے تو اس کی رونق دوبالا ہوجاتی اور پبلک ان کی تقریر سن کر ایسا محسوس کرتی کہ گویا خود اقبال ہی ان سے ہمکلام ہیں۔ اس لئے کہ آفتاب اقبال صورتاً و سیرتاً حضرت علامہ کا چربہ ہیں اور ان کی تقریر جو اکثر اپنے والد کے اشعار کی توضیح کی حامل ہوتی ہے بڑی ہی پُراثر ہوتی ہے۔

انتخاب صدارت کے سلسلے میں آفتاب اقبال کے بیانات جو اخبارات میں شائع ہوئے

حکیم الامت علامہ اقبال زندہ ہوتے تو:

فیلڈ مارشل ایوب خاں کو صدارت کے لئے موزوں ترین شخصیت سمجھتے

لندن سے علامہ اقبالؒ کے بڑے صاحبزادے مسٹر آفتاب اقبال بار ایٹ لا کا مکتوب

لندن ۔ منگل: حکیم الامت علامہ اقبال کے بڑے صاحبزادے مسٹر آفتاب اقبال بار ایٹ لا نے لندن سے روزنامہ "مشرق" کو ایک خط بھیجا ہے، جس میں انھوں نے کہا ہے کہ پاکستان کی صدارت کے لئے صدر ایوبؔ سے بہتر کوئی شخص نہیں ہے ۔ اور پوری قوم کو ان کی حمایت کرنی چاہیئے ۔ مسٹر آفتاب اقبال نے کہا کہ اگر آج ان کے عظیم المرتبت والد (علامہ اقبال) زندہ ہوتے تو وہ بھی فیلڈ مارشل صدر ایوب کو پاکستان کی صدارت کے لئے موزوں قرار دیتے ۔ صدر ایوب نے پچھلے چھ سال کی مدت میں جو خدمات سرانجام دی ہیں

ان سے ساری دنیا میں پاکستان کا وقار بلند ہوگیا ہے اور انھیں ہر ملک میں احترام کی نظر سے دیکھا جاتا ہے۔

مسٹر آفتاب اقبال کے خط کا متن حسب ذیل ہے:

پاکستان سے پچھلے دنوں مجھے بہت سے خطوط موصول ہوئے ہیں۔ جن میں مجھ سے کہا گیا ہے کہ میں پاکستان کے صدارتی انتخاب کے موقع پر اپنے خیالات کا اظہار کروں۔ ان کے جواب میں مَیں یہ کہوں گا کہ والد مرحوم کے سیاسی خیالات کو جانتے ہوئے میں یہ کہنے کی جرات کرسکتا ہوں کہ اگر وہ اس وقت زندہ ہوتے تو وہ بھی فیلڈ مارشل محمد ایوب خان کو پاکستان کے موجودہ سیاسی دور میں اس عہدے کے لئے موزوں ترین آدمی سمجھتے۔

مجھے مس فاطمہ جناح کے خلاف کوئی تعصب نہیں ہے مگر پاکستان کی تاریخ میں اس وقت فیلڈ مارشل محمد ایوب خاں جیسا کوئی مدبّر انسان ہی صدر بننے کی صلاحیت رکھتا ہے۔

میں فیلڈ مارشل محمد ایوب خاں کو قطعاً نہیں جانتا۔ نہ میں کسی پولٹیکل پارٹی سے تعلق رکھتا ہوں اور نہ ہی مجھے کسی سرکاری عہدے کی خواہش ہے، لیکن جو ملکی خدمات پچھلے چند سالوں میں انہوں نے انجام دی ہیں۔ اس سے

انھوں نے پاکستان کا درجہ دوسرے ملکوں کی نگاہوں میں بہت بلند کر دیا ہے۔ اس وقت یورپ کے ہر ملک میں فیلڈ مارشل محمد ایوب خاں کو نہایت احترام کی نگاہ سے دیکھا جا رہا ہے، بلکہ ہندوستان کی چند ممتاز شخصیتوں نے مجھ سے کہا ہے کہ ہندوستان کو اس وقت فیلڈ مارشل محمد ایوب خاں جیسے لیڈر کی ضرورت ہے۔ ان کی عظیم خدمات، ان کی سیاسی قابلیتوں اور ان کے اعلیٰ انسانی خصائل کو مدِ نظر رکھتے ہوئے میں یہ وثوق سے کہہ سکتا ہوں کہ مجھے اس وقت ہندوستان اور پاکستان میں کوئی لیڈر اس پایہ کا نظر نہیں آتا۔

پاکستان میں جو لوگ دن رات جمہوریت کا راگ الاپ رہے ہیں، وہ شاید جمہوریت کی تاریخ سے واقف نہیں۔ اس میں کوئی شک نہیں کہ جمہوریت بہترین طرزِ حکومت ہے، مگر اس کے ساتھ ساتھ مشکل ترین بھی۔ اگر دنیا کی پولٹیکل ہسٹری کا مطالعہ کیا جائے تو یہ ثابت ہوگا کہ ہر ملک کو آخر میں وہی حکومت ملتی ہے، جس کا وہ اپنے سیاسی دور میں اہل ہوتا ہے۔ یہ شعر میرے والدِ مرحوم ہی نے لکھا تھا ؎

گریز از طرزِ جمہوری غلامِ پختہ کارے شو
کہ از مغزِ دو صد خر فکرِ انسانی نمے آید

جمہوریت کو کامیاب بنانے کے لئے یہ ضروری ہے کہ لوگوں میں اتنی تعلیم، عقل اور اخلاقی کریکٹر ہو، کہ وہ صحیح لیڈر کو چن سکیں۔ عوام کی موجودہ تعلیم اور اقتصادی حالات کے پیش نظر ہمیں اس وقت ایسے شخص کی ضرورت ہے جو پختہ کار اور عقل مند انسان ہو اور دنیا کی سیاسی صورت حال سے اچھی طرح واقف ہو۔ میرے خیال میں یہ فرض انجام دینے کے لئے فیلڈ مارشل محمد ایوب خان سے بہتر انسان پاکستان میں نظر نہیں آتا۔ جذبات میں آکر غیر موزوں لیڈر کا انتخاب کرنا ملک کے لئے سخت خطرناک ہوگا۔ فیلڈ مارشل محمد ایوب خان نے اپنی خارجہ پالیسی میں جو راستے اختیار کئے ہیں وہ ملک کی ترقی کے لئے اشد ضروری معلوم ہوتے ہیں اور ان راستوں پر چلنے کے لئے فیلڈ مارشل محمد ایوب خاں کی لیڈرشپ ضروری ہے۔

ملک کا نصب العین یقیناً کم و بیش مکمل جمہوریت ہے اور اس قسم کی حکومت پاکستان میں قائم ہو کر رہے گی مگر اس معاملے میں ہمیں نہایت صبر و استقلال سے کام لینا چاہیئے۔ اور اپنی توجہ پہلے ان باتوں کی طرف دینی چاہیئے جو ملک کی زینت اور آزادی کے لئے نہایت ضروری ہیں۔ میں امید کرتا ہوں کہ پاکستان کے لوگ اس

اس اہم فرض کو نہایت ٹھنڈے دل سے انجام دیں گے ۔

آفتاب اقبال

(ماخوذ بشکریہ "مشرق")

صدر ایوب کی کامیابی سے پاکستان کا وقار بلند ہوگیا ہے

محترمہ فاطمہ جناح کو بھی صدر ایوب سے تعاون کرنا چاہئے

علامہ اقبال کے صاحبزادے آفتاب اقبال کا بیان
انتخاب صدارت کے بعد

لندن ۔ جمعہ ۔ (نمائندۂ خصوصی) حکیم الامت علامہ اقبال کے بڑے صاحبزادے مسٹر آفتاب اقبال نے ایک بیان میں صدر ایوب کی نمایاں کامیابی پر اظہار مسرت کرتے ہوئے کہا ہے کہ اس وقت ایشیا میں ان کے برابر کا کوئی دوسرا لیڈر موجود نہیں ۔ آپ نے توقع ظاہر کی کہ پاکستان اگلے پانچ سالوں کے دوران صدر ایوب کی زیر صدارت ترقی کرے گا اور یہاں متعدد سماجی ، اقتصادی اور سیاسی اصلاحات نافذ ہوں گی ۔ آپ نے توقع ظاہر کی ہے کہ محترمہ

فاطمہ جناح اور ان کے پیروکار قومی استحکام اور ملکی ترقی کے لئے صدر ایوب سے تعاون کریں گے۔

ہمارا صدارتی انتخاب مکمل ہو چکا ہے اور جیسا کہ پاکستان میں بسنے والی آبادی کی غالب اکثریت، اور انگلستان میں پاکستانیوں کی بھاری تعداد کو توقع تھی اگلے پانچ برس کے لئے ہمارے ملک کی زمام کار ایسے شخص کے ہاتھ میں آگئی ہے جو اپنی بہتر صلاحیتوں اور اہلیت کی وجہ سے منتخب ہوگیا ہے۔ میرے خیال میں صدر ایوب کی کامیابی ہمارے ملک کی سیاسی تاریخ کا ایک اہم واقعہ ہے۔ انتخابات کے نتائج اس امر کے غماز ہیں کہ ہمارے عوام اب جذبات کی سطح سے بلند ہو کر عملی زندگی کے حقیقت پسندانہ تجزیہ کی بنا پر اپنے سیاسی راہنما منتخب کرنے کے اہل بن گئے ہیں۔ پاکستان کے دونوں صوبوں سے صدر ایوب کی غالب اکثریت سے کامیابی اس امر کی شاہد ہے کہ انہیں دونوں صوبوں کے عوام کی اکثریت کا اعتماد حاصل ہے۔ اس سے دونوں صوبے سماجی، اقتصادی اور سیاسی اعتبار سے ایک دوسرے کے قریب آجائیں گے۔ ان کی شکست سے دونوں صوبوں کے درمیان خلیج پیدا ہو جاتی جو ملک کے اتحاد کے لئے تباہ کن ثابت ہوتی، لیکن اب

ملک تباہی کے غار میں گرنے سے بچ گیا۔ ماضی میں صدر ایوب کے کارناموں کے پیش نظر ایک شخص آسانی سے یہ اندازہ لگا سکتا ہے کہ اگلے پانچ سال کے دوران پاکستان میں متعدد سیاسی، سماجی اور اقتصادی اصلاحات نافذ ہوں گی اور ہماری خارجہ پالیسی میں بھی احسن تبدیلی ہو گی۔ ۱۹۵۸ء کے بعد پاکستان کا وقار غیر ممالک میں بہت حد تک بلند ہو گیا ہے۔ اور آئندہ پانچ سال میں ہم اس امر کا مشاہدہ کریں گے کہ صدر ایوب کا ذہن رسا بعض مشکل مسائل کو کس طرح حل کرتا ہے۔ جواب تک تصفیہ طلب پڑے ہوئے تھے۔

مجھے امید ہے کہ محترمہ فاطمہ جناح اور ان کے پیرو کار قوم کے فیصلے کے سامنے سر تسلیم خم کریں گے اور صدر ایوب سے پوری طرح تعاون کریں گے۔ تاکہ وہ سربراہ مملکت کی حیثیت سے اپنے گوناگوں فرائض سے بطریق احسن عہدہ برا ہوں اس کا یہ مقصد نہیں ہے کہ ہماری مقننہ میں اپوزیشن کا وجود باقی نہ رہے، لیکن نئی حکومت میں حزب اختلاف برائے اختلاف و عداوت نہیں ہونی چاہیئے بلکہ دیانتدارانہ اصلاحات کے لئے ہونی چاہیئے۔

(ماخوذ بشکریہ "مشرق")

جناب آفتاب اقبال ایم۔اے (لندن) بیرسٹرایٹ لا
خلف اکبر حضرت علامہ اقبال رحمۃ اللہ علیہ

بیان آفتاب اقبال صاحب، بتقریب یوم جمہوریہ پاکستان

We are celebrating the 18th birthday of the Republic of Pakistan. A careful and unbiassed study of her history during the last 18 years reveals that despite many handicaps - political, social and economic - her progress in many important directions has been remarkably rapid, particularly in the fields of industry and commerce. As a young and inexperienced nation we have made and are still making mistakes but of these we need not feel ashamed so long as we are determined to avoid their repetition and profit by our past experience. When I think of the great hardships our people have suffered and the tremendous sacrifices they have made for Pakistan I admire their patience, perseverance and courage and their determination to hold on. In the eyes of many people abroad who have been keenly, watching her struggle for economic independence this is a phenomenon rare in human history. Starting in August 1947 from almost nothing we are, today, a nation who can, in spite of our economic difficulties, maintain a vast and increasing population, can hold our heads high and make our voice heard in the councils of the nations. There are some unobserving and thoughtless critics amongst us who take exactly the opposite view and maintain with curious arguments that Pakistan has been a failure as a state because the various governments we have had so far have not succeeded in stamping out corruption, solving satisfactorily the immigrants' rehabilitation problem and in doing enough in the field of education. These emotional critics of reactionary temperament are in a great hurry not realising that even hurry takes time. Yet nobody would deny that the problems to which they refer do exist and have to be solved. I am, by no means, complacent about the general advancement of the country since 1947 and entirely agree that there are these and many other evils which have to be

Contd...../2

eradicated from the administration of Pakistan but we must realise the stupendous magnitude of the task that lies ahead of our rulers, whoever they may be. If we could only step into their shoes we would understand and appreciate the staggering problems with which they are confronted in governing a state like Pakistan. It is a state inhabited by people who originally belonged to different provinces more or less having different cultures, speaking different languages, belonging to different religious sects and holding divergent political views. The ignorance and poverty of our extremely sensitive and emotional masses, the lack of patriotism and philanthropy on the part of our moneyed classes, our selfishness, greed and personal jealousies, our religious fanaticism and lack of appreciation of good and honest work done by loyal and patriotic citizens must make the work of any government in this country extremely difficult. We must remember that ultimately every country has that government for which it is fit. So long as we have these moral and social evils no government in Pakistan however good, strong and well intentioned it may be can do much constructive work and at the speed which is commonly expected of it. It is not possible to perform miracles in the task of raising the moral, intellectual and spiritual level of a people who have been under the yoke of foreign rule for nearly 200 years. The difficult process of transforming the moral character of a nation must begin from the bottom not from the top. I think you will agree that the political reformation of a country is commensurate with the moral and social reformation of its people and not vice versa. As the ethical standards of our people improve we shall be able to throw up better type of political leaders to take over the administration of our country. While it is a duty of any civilised government to maintain law and order and to promulgate legislation for the general advancement of the people no government, however efficient it my be, can achieve much without the active support of a large majority of the people. Here we are moving in a vicious circle. It is case of action and reaction that intensify each other. The

Contd......./3

government of a country and the public have reciprocal duties and responsibilities and the absence of such mutual co-operation must end in political chaos and disorder exposing the state to great dangers from within and without.

How can we help Pakistan to become a strong, powerful and prosperous state? The obvious answer is that our people must unite, work much harder than they are doing at present, be scrupulously honest in their business dealings both among themselves and with other nations, encourage individual talents wherever it can be found, suppress the ignoble sentiments of jealousy and hate and cultivate a sympathetic understanding of the other fellows' point of view.

Whether we like it or whether we do not like it we must realise that there is no running away from this country into which God Almighty in His wisdom has thrown us all together. History alone will show the execution of the divine plan behind the tremendous upheaval which came about in the history of India in 1947. As Muslims we must have complete faith in the wisdom of Providence and resign to His will. The sooner we completely forget our previous geographical denominations the better. Unless we are willing to work together in perfect harmony for the good of Pakistan we shall not be able to resist those powerful forces which are cut to dectroy us as a political and cultural entity. United we stand, divided we fall but in presence of the delicate political situation in which we are placed today in international politics I would go a step further and say united we stand, divided we perish. It is about time we realised the imperative necessity of living in complete harmony, seeing things in their proper perspective, facing facts as they are and not as we would like them to be and developing a liberal outlook on life. We must acquire the true Islamic virtues of honesty integrity, courtesy, humility, tolerance, patience, perseverance, temperance. Remember that it is by our personal example alone the world will judge us and the worth of our religious convictions. Unless we develop these qualities of character in a reasonable measure we will not be able to attain a position of respect either in the world of

Contd......./4

politics or business for apart from their moral excellence these virtues have a great utilitarian value.

Everything said and done I do not think at all that there is any cause for pessimism about the future of Pakistan. On the contrary there are strong reasons to believe that we may look forward to a glorious future for our country. Fortunately its leadership today is in the hands of a strong, wise and sagacious leader whose qualities of head and heart will enable him to steer the ship of this state through the most difficult times that lie ahead of us, with the degree of skill and caution needed for this delicate task. It is the duty of all political organisations in Pakistan to give their whole-hearted support to his present foreign policy which is bound to yield good results. He is shrewd and farsighted enough to know what his next moves will be on the cheese of international politics while internally his vast administrative experience, his tact and his knowledge of his own people will enable him to keep law and order. In all matters concerning the social reformation of our people the light of his Islamic conscience will illuminate the zone of his actions. Let us look forward to the day when under his leadership Pakistan will rise as a strong, self-respecting and self-governing nation marching on side by side with the advanced nations of the world.

Pakistan Paindabad.

AFTAB IQBAL,
M.A. (London), Barrister-at-Law,
33, Modern Housing Society,
Tipoo Sultan Road,
Karachi-8.

حضرت علامہ اقبال اپنے بڑے بیٹے آفتاب اقبال کی نظر میں

The late Dr. Sir Muhammad Iqbal was one of those great men whose eminence grows more obvious with the lapse of years. Like a mountain, obscured at first by its foothills, he rises as he recedes. The coming generations of the Indo-Pakistan Sub-continent will see him in a much better perspective than we do Today. To be able to discover the multiple aspects of his versatile genius will require a long and patient research and a close study of the moral, political and social conditions of the times in which he lived, moved and had his being. It is obvious that he was born ahead of his time and died at a time when a man of his vast knowledge, imagination and force of character was most needed to guide the destinies of his people. A man of indomitable courage and great audacity of thought he faced opposition not only from his enemies in the fields of religion, politics and social reformats, but from those when he sought to help and on whose support he relied, Iqbal's eminence as one of the greatest poets of the world is, of course, undeniable, but what has immortalised him in the history of mankind is not merely his poetry to which he himself assigned a secondary place in his life's work nor even his vast erudition, his high intellect, his profundity of thought and his artistic imagination although they are all important factors in the building up of his world-wide reputation. It was, above all, his love of truth, the burning zeal with which he preached and practised his doctrines, his fearless advocacy of the political and social rights of Indian Muslims and the unique service he did to Islam in presenting it to the world in term, of modern thought that have earned for him an abiding peace in the history of human thought. This much needed task of making Islam intelligible to the Western world could be accomplished in the twentieth century only by a scholar who was steeped in islamic learning with a profound knowledge of European philosophy and an intelligent understanding of modern science. It has Iqbal's infinite love of the Holy Prophet of Islam which as entitled him to a niche in the temple of fame. In the form of a human being he was a sparkling flame which burned for65

years with extraordinary brilliance warming the hearts of aillions of men and women in the Indo-Pakistan Sub-continent. His body may have become dust and ashes, but his spirit lives and his poetical work will remain a source of inspiration to his people for many generations to come.

It seems to me that the time is not far distant when with the progress of education and translations of his works Iqbal will have a much wider circle of readers in the world than he has today. His teachings, when properly understood, appreciated and assimilated should have the effect of transforming character. I am looking forward to the day when there will be a greater realisation of the fact that his message was intended for the entire human race and not exclusively for the muslims of India or Muslims generally. He certainly believed in higher forms of communalism which aim at the harmonious development of all sections of humanity. In trying to raise the moral, intellectual, political and social level of the Muslims of India he was actuated by humanitarian motives as was naturally expected of a man of his vast mental horizon and catholicity of outlook. No poet of Iqbal's stature could entertain any feeling of hatred against other religious or cultural groups. He honestly served the cause of Indian Muslims because they needed special attention.When after a long and bitter experience he realised that it was impossible for the Muslims of India to work out their destiny on their own lines as a sub-national group he never hesitated in demanding a separate Muslim State carved out of the Indian sub-continent. The coming generations will appreciate his political sagacity which gave birth to a great Muslim Republic in Asia. His name will go down in history not only as a poet-philosopher of the highest rank, but as a stateman and a teacher of mankind.

مجلس اقبال (برطانیہ) لندن میں آفتاب اقبال اپنے

والد علامہ اقبال کے حالات بیان فرمارہے ہیں
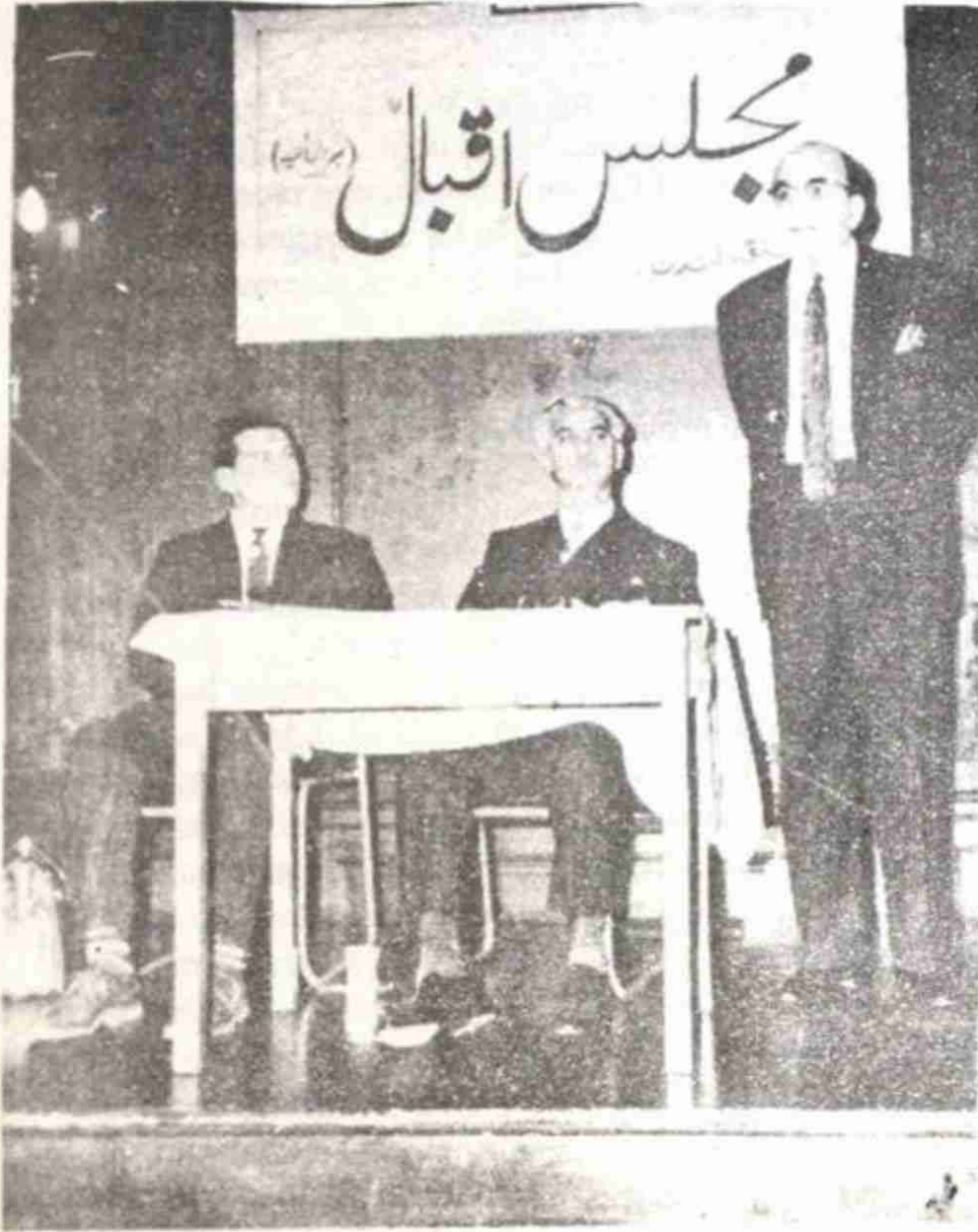
بیان آفتاب اقبال بیرسٹرایٹ لا
جو اخبارات میں شائع ہوا۔

Telephone 44519

Aftab Iqbal, M.A. (London)
Barrister-at-Law
Advocate High Court of Judicature
Pakistan.

33 Modern Housing, Society
Tipoo Sultan Road,
Karachi 8, Pakistan

London.
5th January, 1965

Our Presidential elections are over. As most of us in Pakistan and many people in England expected the obviously better fitted and better qualified candidate has won to preside over the destinies of our land for the next five years. I consider President Ayub's success a unique event in the political history of our country as the result of the elections shows that our people are becoming more and more capable of choosing their leaders on practical considerations and not on grounds of sentiment. His victory in both wings indicates that he enjoys the confidence of the majority of people in East and West Pakistan. This will bring the two wings closer together socially, economically and politically during his term of office. His defeat would have accentuated the differences between the two wings which would have been extremely harmful to the unity of Pakistan. That dangerous situation has been averted.

Judging by the past achevements of President Mohammad Ayub Khan one can safely predict that the next five years will see in Pakistan many political, social and economic reforms and interesting developments in our foreign policy. Since 1958 Pakistan has already gained considerably in the eyes of the outside world and during the next five years we shall watch with interest how he applies his versatile mind to the solution of those difficult problems which still remain unsolved.

I hope Miss Fatima Jinnah and her followers who constitute as alliance of utterly disparate parties and factions will now submit to the verdict of the nation and fully cooperate with the President without any ill feeling in the discharge of his onerous duties as Head of the State. This certainly does not mean that there should be no opposition in our legislature, but there must be no opposition to the new Government for the sake of opposition just to create obstacles in the smooth running of the administration of the country. Such an act would be highly unpatriotic, unchivalrous and undignified.

When the Government have so many difficult and delicate problems to handle any deliberate attempt to thwart their plans designed for the welfare of the State would naturally be unfair to the country and might force the Government to take action. We need a strong Central Government to-day, which will be in a position to maintain law and order internally and deal effectively with any aggression from the outside. The time has come when the people of Pakistan irrespective of what province or political organisation they belong to, should stand united like a rock against our enemies who would like to see us wiped out as a political and cultural entity.

A fully democratic government is certainly our aim and no force in the world can stop it. We must rember, however, that for a really successful experiment of democracy we must evolve a suitable consitution by gradual stages. We must have a good press of a reasonably high journalistic and ethical standard; we must have a high percentage of literate persons, though not highly educated or even moderately educated, who can read newspapers and have enough intelligence to know what they really want and can form their own opinion as to what is good for them. But above all they should have something more. That something may be described in the term "Moral Character" - fidelity not only to intellectual but to moral truth. This indispensable requisite to democracy acts like a lubricant for the smooth running of the machinery of a truly democratic form of government. If I were asked how to define this term I would say it is readinessto do what one believes to be right and not merely what is popular or what the crowd demands; it is readiness to ace facts as they are and to deal with them as they are, however unpleasant they may be; it is ability to sacrifice one's personal gain for the benefit of the group, community or country to which one belongs. Again it is readiness to face opposition for the sake of a just cause not only from those from whom we expect opposition but from those whom we seek to help and on whose support we rely. If on the one hand it is integrity, honesty, truthfulness, self-control in the face of temptations, courtesy, humility, truthfulness, self-control in the face of temptations, courtesy, humility, patience, perseverence, temperance on the other it is the capacity which these virtues give to resist hatred. Jealousy, falsehood, selfish ambition and folly. Without these qualities of character in a reasonable measure in nations democracy, however often attempted, will fail. It would, then, merely be a system which is apty described in the famous couplet of Iqbal.

"Democracy is a form of government
in which men are counted not weighed."

Having faith in the potentialities and good sense of my countrymen who have the capabilities of becoming a great nation in the not far distant future I have ventured to express these views in the hope that they will derive the maximum benefit from the leadership of Field Marshall Muhammad Ayub Khan than whom there is no political leader of greater honesty and integrity and of a keener sense of patriotism in Asia to-day. He combines political foresight with a tremendous amount of common sense and heart with a fine intellect. The fact that the people of Pakistan have chosen him as their leader is a tribute to their patriotism, sense of responsibility and common sense.

Aftab Iqbal
Barrister At Law

خط بنام آفتاب اقبال بیرسٹر ایٹ لا
از طرف
فیلڈ مارشل محمد ایوب خاں صدر پاکستان

پاکستان

PRESIDENT'S HOUSE,
RAWALPINDI.
7th February, 1965.

From:
Field Marshal Mohammad Ayub Khan,
N.Pk., H.J.

My dear Aftab Iqbal,

I have read with great interest your note of 5th January last on the presidential election. I am much impressed with the depth of feeling and realism with which you have been writing on political issues. I wish that there were more people like you with the correct grasp of the political situation in our country, and the courage to express their views fearlessly. The country needs them badly.

With best regards,

Yours sincerely,

Mr. Aftab Iqbal, M.A.(London),
Barrister-at-Law,
33 Modern Housing Society,
Tipoo Sultan Road,
Karachi-8.

جواب خط فیلڈ مارشل محمد ایوب خاں صدر پاکستان
ازطرف آفتاب اقبال بیرسٹر ایٹ لا

TELEPHONE 44519

AFTAB IQBAL, M. A. (LONDON)

BARRISTER-AT-LAW
ADVOCATE, HIGH COURT OF JUDICATURE AND
SUPREME COURT OF PAKISTAN

PATENTS AND TRADE MARKS

33 Modern Housing Society
Tipoo Sultan Road
Karachi 8. Pakistan

Field Marshal Mohammad Ayub Khan,
President of Pakistan,
President's House,
Rawalpindi.

15th March, 1965.

Dear Mr. President,

I am extremely grateful to you for your kind letter of February 7 which I received on my return from Europe appreciating my press statement of January 5. As a loyal citizen of Pakistan it was my duty to give expression to my honest opinion about the Presidential elections. Apart from the fact that I have great personal admiration for your character and achievements I am sure my late father would have been immensely pleased with the result of our elections last January had he been living today. I say this because I knew him and his political views so well. In our times you are the nearest approach to his ideal of political leadership.

I must confess that I have been deeply touched by your spirit of endurance and tolerance in the midst of our stormy elections which must have been probably the greatest trial of your life, and by the most chivalrous and dignified manner in which you dealt with your political adversaries. It looks almost as though the benign hand of providence pushed you through to success and installed you in a position to guide the destinies of this country for the next five years, perhaps much longer.

I believe most of us in Pakistan today, irrespective of their political affiliations, have confidence in your ability to steer the ship of state of this new Islamic Republic. Fortunately for us you are endowed with all the capabilities needed for the discharge of this tremendous responsibility - unfailing mental and physical energy, honesty, integrity, patience, perseverance, sincerity, tact, clear thinking, industry, shrewdness of perception, imagination, vigilance and foresight.

We are looking forward to the day when under your leadership Pakistan will rise as a strong, proud and self-respecting nation with the much needed internal unity, political stability and economic prosperity.

I am,
Yours very sincerely,

AFTAB IQBAL.

دعوت نامہ بنام آفتاب اقبال بیرسٹرایٹ لا
ازطرف
فیلڈمارشل محمد ایوب خاں صدر پاکستان

پاکستان

PRESIDENT'S HOUSE
RAWALPINDI

25th March 1965.

Dear Mr. Aftab Iqbal,

I am desired to thank you for your letter of 19th March which the President has read with interest. I am further desired to inform you that the President would be pleased to see you during his forthcoming visit to Karachi. Your interview is therefore fixed on Thursday, 1st April, at 8.30 a.m. at the President's House, Karachi. Please confirm by telegram that you would be coming at the appoint[illegible] time.

Yours sincerely,

(A. Rauf)
P.A. to the President.

Mr. Aftab Iqbal, Bar-at-law,
33 Modern Housing Society,
Tipoo Sultan Road, Karachi-8

جناب آفتاب اقبال بہ عمر ۲۶ سال لندن میں
بحیثیت طالب علم

جناب آفتاب اقبال کے اہل و عیال

عالیہ رشیدہ بیگم - ایف، ایس، سی
زوجۂ جناب آفتاب اقبال (بیرسٹر ایٹ لا)

رشیدہ بیگم صاحبہ آفتاب اقبال کی بیگم اور علامہ اقبال کی بہو ہیں۔ خاندان مغلیہ کے ایک عظیم آدمی میرزا دولت بیگ کی اولاد میں ہیں جو عہد شاہ جہاں میں سپہ سالار کے عہدہ پر مامور تھے۔ نسبی یگانگت کے علاوہ شاہجہاں سے قرابت کی عزّت بھی انھیں حاصل تھی، مشہور تاریخی شہر شاہ جہاں پور انہی کا بسایا ہوا ہے۔ اپنے آقا کے نام پر شاہ جہاں پور اس کا نام بانئے شہر کا ہی رکھا ہوا ہے۔

رشیدہ بیگم کے باپ دادا مشرقی پنجاب جالندھر کے رہنے والے ہیں۔ ٹھیکیداری پیشہ تھا۔ رشیدہ بیگم کے والد بزرگوار میرزا روشن بیگ نے برما میں ٹھیکہ لے رکھا تھا۔ بیگم صاحبہ وہیں پیدا ہوئیں۔ وطن واپس آنے کے بعد سلسلۂ تعلیم کا آغاز ہوا۔ ابتدائی جماعتیں پاس کرنے کے بعد لاہور کالج فوروی مین میں داخلہ لیا اور الیف۔ ایس۔ سی کا امتحان امتیازی شان کے . . . . ساتھ پاس کیا۔ آگے تعلیم کا سلسلہ جاری نہ رہ سکا۔ اس لئے کہ آفتاب صاحب کے ساتھ آپ عقد نکاح میں منسلک ہوگئیں۔

آپ کے تین صاجزادے ہیں۔ آزاد اقبال۔ نوید اقبال وقار اقبال۔ اول الذکر دونوں صاحبزادے اعلیٰ تعلیم حاصل کر رہے ہیں۔ وقار اقبال اپنے والدین کے ساتھ رہتے

ہیں اور حصول تربیت و تعلیم میں مصروف ہیں۔

بیگم صاحبہ نہایت ذہین۔ قابل اور امور خانہ داری میں مہارت تامہ رکھتی ہیں اور نہایت شریفانہ صفات و اخلاق کی حامل ہیں۔ آپ کو اپنی خوشدامن، یعنے والدۂ آفتاب اقبال کے زیر تربیت رہنے کا شرف حاصل ہوا اور خدمات بجالانے پر دعائیں حاصل کرنے کے مواقع میسر آئے۔

آپ کے والد بزرگ برما سے اپنے دوست وزیر اعظم حبشہ ڈاکٹر سی مارٹن کے ہمراہ عدلیس ابابا تشریف لے گئے تھے۔ آپ کا ٹھیکداری کا کاروبار یہاں بڑے وسیع پیمانہ پر ترقی کر گیا تھا اور آپ کی مالی حالت نہایت مضبوط ہو گئی تھی۔ اثرات و تعلقات کا یہ عالم تھا کہ شاہ حبشہ مسٹر ہیل سلاسی آپ کو اپنا معتمدعلیہ اور مخلص دوست سمجھتا تھا اسی اثنا میں اٹلی نے حبشہ پر لشکر کشی کی اور آپ کو اپنے تحفظ ناموس و جان کی خاطر اپنا سارا اثاثہ چھوڑ کر واپس ہندوستان آنا پڑا۔ ہندوستان آکر آپ اپنے وطن — جالندھر کی بجائے لاہور میں مقیم ہو گئے۔ اور یہیں انتقال فرمایا۔ یوں جالندھر سے رشتہ منقطع ہو گیا اور لاہور بیگم صاحبہ کے لئے وطن ثانی بن گیا۔ آپ کی ابتدائی تعلیم بھی مدرسۃ البنات لاہور میں ہوئی۔ آپ کو اس

درس گاہ سے والہانہ محبت ہے ۔ آپ کا بیان ہے کہ اس درس گاہ میں قرآن وحدیث کی تعلیم لازمی وبنیادی ہے، میں نے اپنے دین کو یہیں سے جانا۔ مجھے اپنے مذہب سے محبت، اپنے خدا سے آگہی، آقائے نامدار حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے مرتبہ سے واقفیت یہیں حاصل ہوئی۔ آقاجی حضرت عبدالحق عباس بانیٔ مدرسۃ البنات بڑے ذی علم اور مقدس بزرگ تھے ۔ جس زمانہ میں آپ نے اس درس گاہ کی بنیاد ڈالی، اس زمانہ میں لڑکیوں کو پڑھانا، کفر کے برابر تھا، لیکن آقاجی کی مخلصانہ انتھک کوششیں بارآور ہوکر رہیں۔

آقاجی کے بعد ان کی صاحبزادی محترمہ آپا حمیرا نے اس درس گاہ کا انتظام اپنے مضبوط ہاتھوں میں لیا اور اپنے مقدس والد کے لگائے ہوئے پودے کو ایک عظیم بارآور درخت بنایا۔ یعنے آج وہی درس گاہ ایک شاندار کالج بن گئی ہے۔ اب یہ کالج نظم ونسق کی خوبی اور نتائج کے اعتبار سے اپنی مثال آپ ہے۔ اور یہ نتیجہ بے شک آپا حمیرا کے حسن انتظام اور مساعیٔ جمیلہ کا تو ہے ہی، لیکن در پردہ حضرت آقاجی کی روحانیت اس پر پرتو فگن ہے۔

بیگم صاحبہ آقا حضرت عبدالحق عباس بانیٔ مدرسۃ البنات کا نام بڑے احترام سے لیتی ہیں۔ آپ فرماتی ہیں آقاجی کو مدرسہ کی

لڑکیوں سے اپنی اولاد سے زیادہ محبت تھی۔ وہ باوجود
عالم باعمل ہونے کے کسی کا نکاح نہیں پڑھاتے تھے۔ مدرسہ
کے کام کے علاوہ کسی دوسرے کام سے انھیں سروکار نہ تھا۔
لیکن میرا نکاح آفتاب صاحب کے ساتھ پڑھانے کے
لئے خاص طور پر تشریف لائے اور نکاح پڑھایا۔ آپا حمیرا
بھی بلاشبہ اپنے مقدس والد کے نقش قدم پر گامزن ہیں۔
قدیم وجدید طالبات کے ساتھ ان کا سلوک محبت کرنے والی
بہن سے کسی طرح کم نہیں ہے۔

آپا حمیرا تقریبات مدرسۃ البنات میں بیگم صاحبہ کو
خصوصیت کے ساتھ دعوت شرکت دیتی ہیں اور بیگم صاحبہ
دلی اخلاص کے ساتھ اس میں شرکت فرماتی ہیں۔ اور اس
قسم کے اداروں کی دامے درمے قدمے سخنے امداد فرمانے
میں دریغ نہیں فرماتیں۔ مدرسۃ البنات کی تقریبات میں دلچسپی
لینا تو وہ اپنا خصوصی فرض سمجھتی ہیں۔ جگہ جگہ سے آپ کی خدمت
میں سپاسنامے آپ کی علمی خدمات جلیلہ کے اعتراف کے طور
پر پیش ہوتے رہتے ہیں۔ مدرسۃ البنات کے کنونینشن میں بھی
آپ نے شرکت فرمائی تو نظم ونثر دونوں میں طالبات قدیم
مدرسۃ البنات نے آپ کو سپاسنامہ دیا۔ منظوم سپاسنامے کے
چند اشعار بغرض تفنن طبع ہدیۂ ناظرین ہیں جو طالبات کے

پُرخلوص جذبات کے آئینہ دار ہیں :

گلدستۂ محبت

بخدمت اقدس محترمہ بیگم رشیدہ آفتاب اقبال صاحبہ

کھل گئی ہے روشنی کی اک کتاب
صبحدم جس طرح نورِ آفتاب
اٹھ گیا روئے مسرّت سے نقاب
ہر طرف ہے کیا نرالی آب وتاب
رونقِ محفل رشیدہ آئی ہیں
یا ضیائے قلب و دیدہ آئی ہیں
کوئی قسمت کا دھنی یاں آیا ہے
ہے خوشی کے رقص میں ہر ایک شے
ہر نفس ہے نغمۂ تازہ کی نے
یہ صدا آئی ہے دل سے پے بہ پے
تو ہمیشہ انجمن آرا رہے
یہ سماں دلکش رہے پیارا رہے

منجانب

انجمن قدیم طالبات مدرسۃ البنات لاہور
(بہ تقریب سالانہ کنونیشن)

آزاد اقبال

اور

نوید اقبال

آفتاب صاحب کے
سب سے بڑے اور
سب سے چھوٹے
صاحبزادے جو اپنے
باپ دادا کے نقشِ قدم
پر نہایت اعلیٰ تعلیم
حاصل کر رہے ہیں۔
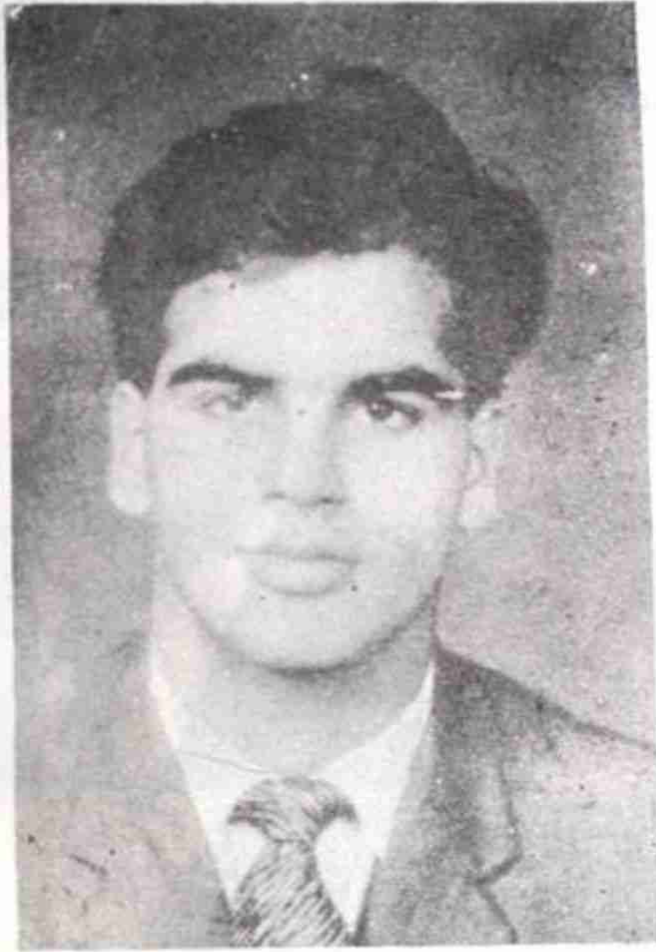
وقار اقبال

آفتاب اقبال صاحب کے یہ منجھلے صاحبزادے ہیں
ان کی صورت بھی شاندار ہے اور عادتیں بھی خوب ہیں
دماغی اعتبار سے کمزور ہیں، لیکن بالکل معصوم اور شان
مجذوبانہ کے مالک ہیں اور اپنے والدین کے لئے برکت و
سعادت کے موجب ہیں۔

معراج بیگم

بنت حضرت علامہ اقبال و محترمہ کریم بی بی رحمۃ اللہ علیہا

آفتاب اقبال فرزند اکبر حضرت علامہ و محترمہ کریم بی بی رحمۃ اللہ علیہا
(سنہ ۱۹۱۳ء میں)

حضرت علامہ اقبال رحمۃ اللہ علیہ کے ایک تیسرے فرزند اور تھے جو اپنی پیدائش کے چند لمحوں بعد ہی اللہ کو پیارے ہو گئے۔ ان سے قبل معراج بیگم دختر اور آفتاب اقبال فرزند علی الترتیب معرض وجود میں آئے۔ صاحبزادی معراج بیگم کے بارے میں حضرت علامہ کی رائے عالی تھی کہ یہ میری بچی میری اولاد میں سب سے زیادہ ذہین ہوگی۔ اور حضرت شیخ نور محمد صاحب کا ارشاد تھا کہ یہ لڑکی جس گھر میں جائے گی اس گھر میں روشنی کا باعث ہوگی۔

سنہ ۱۹۱۴ء میں جب کہ ان بچوں کی والدہ کی موجودگی میں حضرت علامہ نے یکے بعد دیگرے دوسری تیسری شادی کی۔ اس وقت معراج بیگم زندہ تھیں اور ان کی عمر تقریباً ۱۸ سال کی تھی۔ اور علامہ کے بڑے صاحبزادے آفتاب اقبال تقریباً ۱۵ سال کے تھے۔ یہ دونوں بچے اپنی مظلوم ماں کے غم میں برابر کے شریک تھے۔ معراج بیگم صاحبہ اسی سال راہیے ملک بقا ہوئیں۔

آفتاب صاحب الحمد للہ ہنوز بقید حیات ہیں۔ ہر طرح خوشحال ہیں اور اپنے والد بزرگ حضرت علامہ کے عظیم محاسن کی ثنا خوانی میں ہمہ اوقات رطب اللسان، لیکن اپنی والدہ ماجدہ کی مظلومیت پر اشک فشاں۔ اس لئے کہ بدسرشت لوگ ان کی وفات کے بعد بھی ان کے درپئے آزار رہیں۔

ہماری دعا ہے کہ اللہ انھیں صبر و سکون عطا فرمائے اور حاسدان بد اندیش کو توفیق دے کہ وہ اپنی زبان و قلم کو لگام دیں اور ان محترمہ کی شان میں گستاخی و بدسگالی سے اور حضرت علامہ کی مبارک زندگی کے اس ناگفتہ بہ حال کو بار بار منظر عام پر لانے سے باز آجائیں۔ آمین

مِس ایمے جیسی بیک

(MISS EMMAJESSI BECK)

یہ وہی مس بیک ہیں جو سرزمین یورپ میں ہر ہندوستانی طالب علم کے لئے ایک مادر مشفق کی حیثیت رکھتی تھیں۔ یہ بڑی حوصلہ مند عورت تھیں اور بڑی با اثر شخصیت کی مالک تھیں۔ تمام ارکان دولت برطانیہ سے ان کے بہترین تعلقات تھے۔ اہلِ علم سے خاص شغف رکھتی تھیں اور ہر طالب علم کی سرپرستی فرمانا ان کی فطرت تھی۔ ان کے والد بزرگ لندن کے لارڈ میر تھے۔

علامہ ڈاکٹر سر محمد اقبال علیہ الرحمۃ کا اُن کی غیر معمولی ذہانت و فطانت اور لیاقت و قابلیت کی وجہ سے خاص طور پر احترام کرتی تھیں۔ عطیہ بیگم فیضی سے علامہ کی پہلی ملاقات انہی کے ذریعہ انہی کے مکان پر ہوئی تھی۔ سر ٹامس آرنلڈ جو ڈاکٹر اقبال کے شفیق استاد تھے ان کے خاص دوست تھے۔

یہ وہی مس بیک ہیں جن کے بھائی مسٹر بیک علیگڈھ کالج کے سب سے پہلے پرنسپل تھے، جنھیں سر سید نے خود اس عہدۂ جلیلہ پر مامور کیا تھا، اپنے عزیز بھائی کی وجہ سے ہندوستان میں بھی ان کی آمد و رفت کا سلسلہ شروع ہوگیا تھا۔ اپنی عالی دماغی اور حسن تدبر کے باعث تمام راجگان و والیان ریاست سے ان کے خصوصی مراسم تھے۔ بیگم صاحبہ بھوپال سے ان کا بہناپا تھا اور وزیر اعظم ریاست گوالیار

سرسلطان احمد ان کی بڑی عزت کرتے تھے۔

جناب آفتاب اقبال صاحب فرماتے ہیں کہ ۱۹۲۱ء
میں جب میں لندن گیا تو مس بیک نے میرے تعلیمی معاملات
میں بڑی دلچسپی لی اور میرے نانا خان بہادر حاجی حافظ
عطا محمد صاحب کا جب انتقال ہوگیا تو انھوں نے مستقل
طور پر میرے گارجین اور سرپرست کی حیثیت اختیار
فرمالی۔ دس سال کی طویل مدت تک مجھے ان کے سایۂ عاطفت
میں رہنے کی عزت حاصل رہی۔ اس عرصہ میں روزانہ
شام کی چائے ان کے ساتھ پینا میرا معمول تھا۔ ازرہ فرطِ
محبت میری عادت وخصلت اور علمی قابلیت کی بڑے سے
بڑے آدمی کے سامنے تعریف فرماتی تھیں۔ میرے بہترین مستقبل
کے بارے میں بڑی ہی پرامید تھیں۔ میرے قیام انگلستان
کے دوران بڑی بڑی شخصیتوں سے میرا تعارف کرایا۔ مسٹر بالڈون
وزیراعظم انگلستان سے مجھے ملایا۔ مسٹر ریمزے میکڈانلڈ
وزیراعظم لیبر گورنمنٹ سے میری ملاقات کرائی۔ آخرالذکر
سے میری ملاقات ایک ایسے جلسہ میں بھی ہوئی تھی جس میں
وہ صدر تھے اور میں خصوصی مقرر کی حیثیت رکھتا تھا جس میں
تمام راؤنڈ ٹیبل کانفرنس کے ممبران بھی شریک تھے۔
نیز مسٹر آئزک فٹ۔ لارڈ۔ ادلیویر، لارڈ برکن ہیڈ۔

لارڈ اروِن وائسرائے آف انڈیا سے، مسٹر ویڈووڈ بین اور سر فرانسس ینگ ہز بینڈ اور ہز ہائینس دی آغا خاں سے اور بہت سے ہاؤس آف لارڈز اور ممبران پارلیمنٹ سے مجھے خاص طور پر ملایا۔ اور بڑے تعریفی الفاظ کے ساتھ مجھے روشناس کرایا۔

مس بیک کا خاندان مذہباً کوئیکرس تھا۔ عیسائیوں کا یہ فرقہ اپنی خیر خیرات، شرافت نفس اور علمی سرپرستی میں مشہور تھا۔ یہ سیکٹ (فرقہ) ظلم وشقاوت سے گریزاں رہتا ہے۔ حتیٰ کہ میدانِ جنگ میں بھی کبھی نہیں جاتا۔ البتہ زخمیوں کی مرہم پٹی اور نقصان اٹھانے والوں کی دلجوئی اس فرقہ کا خصوصی مشغلہ ہے۔

مس بیک ۱۹۳۶ء میں خاص طور پر مجھ سے ملنے کے لئے ہندوستان تشریف لائیں۔ مجھ سے ملنے کے بعد چند روز کے لئے الٰہ آباد گئیں اور پروفیسر اچاریہ کے مکان پر مقیم ہوئیں۔ اور ایک صبح ناشتہ کرتے وقت اپنی جانِ گرامی جان آفریں کے سپرد کر دی ؎

خدا بخشے بہت سی خوبیاں تھیں مرنے والی میں

خطوط بنام آفتاب اقبال مدظلہ العالی

حضرت علامہ کی وفات کے بعد اطراف عالم سے جو تعزیتی خطوط آفتاب صاحب کو موصول ہوئے۔ ان سب کی اس مختصر رسالہ میں گنجائش نہیں ہے۔ مشتے نمونہ از خروارے دو اہم خطوط ملاحظہ فرمائیے۔

۱۔ علامہ اقبال کے عظیم دوست سر عبدالقادر بیرسٹرایٹ لاء ایڈیٹر جریدہ "مخزن" لاہور کا خط۔ بنام آفتاب اقبال۔

۲۔ بطل حریت حضرت امین الحسینی مفتی فلسطین زیدت معالیہ کا خط۔ بنام آفتاب اقبال۔

C/o India Office —
Whitehall, S.W.1
London
5-5-38

Dear Aftab Iqbal,

The sad news of the death of your father came as a personal shock to me, as we were such old & intimate friends. I have been receiving letters from some people sympathising with me in this national loss. I was asked by the B.B.C. to give a short broadcast about him for countries overseas & I did so on the 28th inst. We are now going

to have a meeting in his memory on the 14th instant. I have been thinking of writing to [illegible] days to express my sympathy with you. Pray accept my deep condolences. In spite of the regrettable estrangement that existed between the deceased & yourself. I know what admiration you, as his intellectual heir, had for his poetical genius & this sad event must have been felt by you profoundly.
I see from the Lahore papers that tributes were paid to him ~~from~~ all classes & communities & that his funeral was followed by thousands of grief-stricken friends & admirers. When I was in Lahore & people were celebrating the Iqbal Day, nobody had any idea that he would leave us so soon. It is an irreparable loss. May his soul rest in peace & may the bereaved family be given strength to bear this bereavement.

With kind regards

Yrs sincerely,
[illegible]

بسم الله الرحمن الرحيم

حضرة السيد الفاضل المحترم آفتاب اقبال حفظه الله

السلام عليكم ورحمة الله وبركاته . اما بعد فقد بلغني وانا مقيم في جونيه - بيروت (لبنان) وبعيد عن فلسطين ، النبأ العظيم والمصاب الكبير الذي طبق الآفاق وغمر قلوب المسلمين بالأسى والألم في مشارق الأرض ومغاربها ، ألا وهو وفاة والدكم العظيم الأخ العزيز الحميم السيد محمد اقبال رحمه الله وطيب ثراه وجعل الجنة مثواه . فكان لذلك النبأ الأليم الوقع الشديد في نفسي وآلمني اشد الألم نظراً للصداقة الوثيقة التي كانت تربط بين المرحوم والدكم العظيم وبيني منذ انعقاد المؤتمر الاسلامي العام ببيت المقدس ، ذلك المؤتمر الخطير الذي كان الفقيد الغالي وكيلاً له وعضواً ممثلاً للهند في لجنته التنفيذية ، وعاملاً من اكبر عوامل نجاحه ، كما كان رحمه الله احد اركان النهضة الاسلامية الحديثة بالهند وشاعرها الأكبر الذي يحق لها ان تفاخر به امم الارض وشعوبها .

واني باسمي وباسم اللجنة التنفيذية للمؤتمر الاسلامي العام اقدم الى حضرتكم والى اسرة الفقيد الكريم خالص التعزية بهذا المصاب الكبير الذي يشارككم فيه اخوانكم من مسلمي فلسطين والعالم الاسلامي كله واسأل الله سبحانه وتعالى ان يتغمد الفقيد الكريم برحمته ورضوانه ويغدق على قبره شآبيب غفرانه ويجعل مثواه الجنة التي وعد الله عباده المتقين وان يعوضكم والعالم الاسلامي عن فقده خير عوض ، ويلهمكم الصبر الجميل في هذا الخطب الجليل . ولا حول ولا قوة الا بالله العلي العظيم . وانا لله وانا اليه راجعون . والسلام عليكم ورحمة الله وبركاته .

جونيه - بيروت ٢ ربيع الأول ١٣٥٧

محمد امين الحسيني

مفتي القدس ورئيس اللجنة التنفيذية للمؤتمر الاسلامي العام

محمد امين
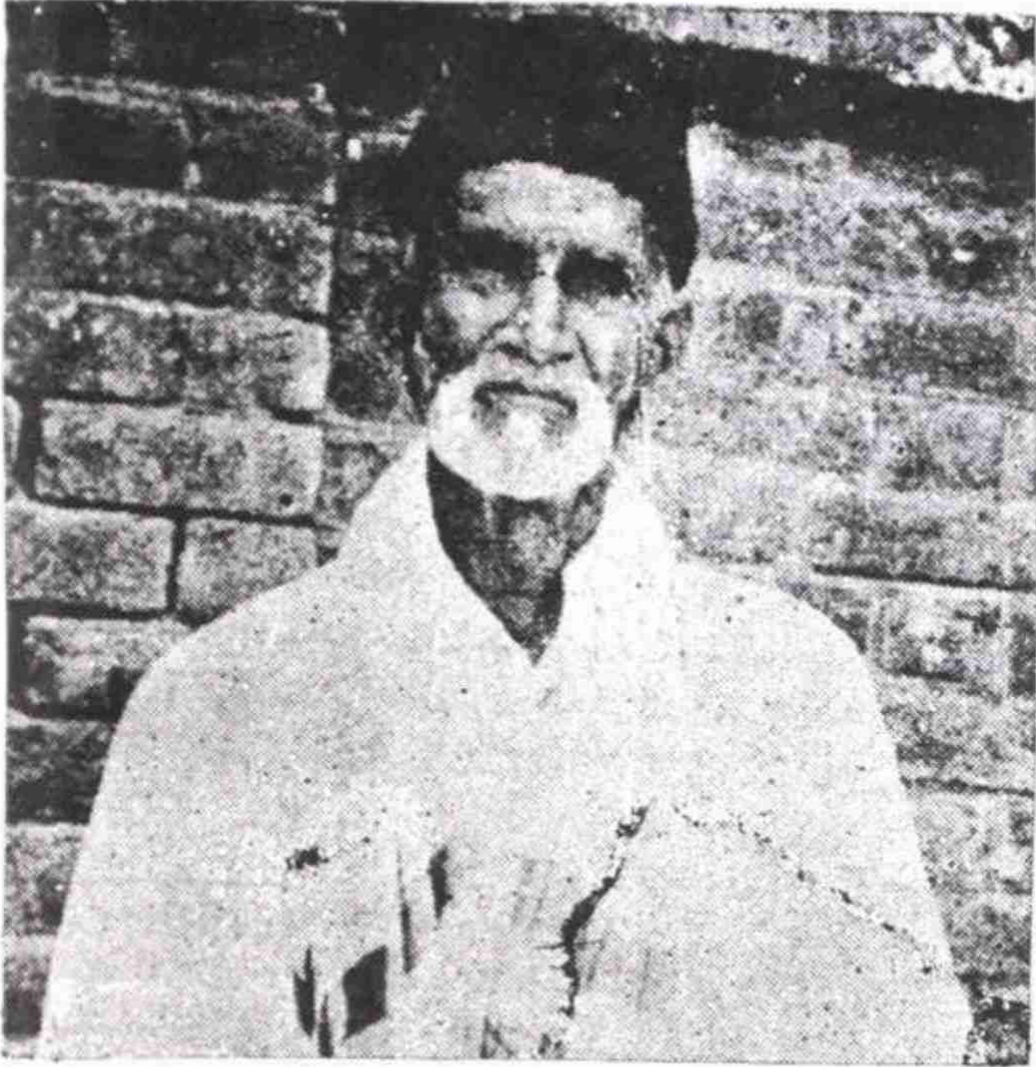
ہشتاد سالہ **علی بخش**

حضرت علامہ اقبال رح اور اُنکی اولاد کا دیرینہ
خدمتگار

علی بخش کا خط بنام آفتاب اقبال

امسال کراچی میں اقبال ڈے کے موقع پر علی بخش حضرت علامہ اقبال کے دیرینہ ملازم کو بھی مدعو کیا گیا تھا۔ علی بخش جس نے آفتاب صاحب کو گودوں میں کھلایا ہے کندھوں پر اٹھایا ہے، کراچی سے واپسی سے قبل آفتاب صاحب کی خدمت میں سلام عرض کرنے حاضر ہوا تو خاکسار راقم الحروف بھی اس وقت موجود تھا۔ آفتاب صاحب نے اس کو کس طرح خوش آمدید کہا اور اس کی آمد پر کس قدر مسرت کا اظہار کیا بیان سے باہر ہے۔

علی بخش نے عرض حال کرتے ہوئے آفتاب صاحب کو بتایا کہ مجھے پچیس روپے ماہانہ پنشن ملتی ہے۔ یہ سننا تھا کہ آفتاب صاحب نے اس کی امید کے خلاف فرمایا کہ علی بخش میں نے آج سے تیس روپے ماہانہ پنشن تیری مقرر کردی اور ہر پانچ سال کے بعد یہ پنشن کی رقم تجھ کو یکمشت ملا کرے گی اور فرمایا آئندہ پانچ سال کی پنشن کی رقم جو (اٹھارہ سو روپے ہوتی ہے) میں یکمشت پیش کرتا ہوں چنانچہ اٹھارہ سو روپے کا چیک اسے عطا فرمایا۔ جو اس نے فوراً کیش کرا لیا اور وطن پہنچنے کے بعد حسب ذیل خط بطور شکریہ آفتاب صاحب کی خدمت میں ارسال کیا ہے۔ ملاحظہ کیجئے:

محترم جناب میاں صاحب

السلام علیکم ! عرض ہے کہ میں بخیریت تمام مورخہ ۸ مئی گھر پہنچ گیا ہوں۔ بڑھاپے کی وجہ سے سفر کی کوفت محسوس ہوئی۔ شام کو جلدی ہی سو گیا۔ جب صبح بیدار ہوا تو آپ کے بے مثال حسن، سلوک اور مروّت کے نقوش میرے ذہن میں تازہ ہو گئے۔

میں کافی عرصہ سوچتا رہا کہ میاں آفتاب اقبال صاحب کی طبیعت میرے آقا جناب حضرت علامہؒ صاحب سے کس قدر ملتی ہے۔ یوں معلوم ہوتا ہے جیسے کہ اُن کی حسن سلوک کی پوری عادت کسی نے بعینہٖ آپ کی طبیعت میں رکھ دی ہو۔

آپ نے اس بڑھاپے میں جس قدر میری حوصلہ افزائی فرمائی ہے۔ میرے پاس اس احسان مندی کا شکریہ ادا کرنے کے لئے الفاظ نہیں ہیں۔

میں فقط ربُّ العزّت کے دربار میں آپ کے اور آپ کے اہل وعیال کے لئے دعاگو ہوں۔

میاں آزاد اقبال اور میاں نوید اقبال صاحب کے

بارے میں دست بدعا ہوں کہ اللہ تعالیٰ اُن کو اعلیٰ تعلیم سے سرفراز کرے اور ان میں قومی خدمت کا جذبہ بھی پیدا فرمائے تاکہ وہ اپنے خاندان کی روایات کو برقرار رکھ سکیں اور آپ کے دل کی اُمنگیں پوری ہوں۔ آمین ثم آمین۔

محترمہ بیگم صاحبہ و میاں پاشا صاحب کو میری اور میرے بھتیجے محمد اقبال کی طرف سے سلام و دعا قبول ہو۔

آپ کے بزرگ دوست مولانا صاحب کی خدمت میں ہدیۂ سلام قبول ہو۔

براہ نوازش خط کا جواب دے کر میری مزید حوصلہ افزائی فرمائیں۔

فقط والسلام

دعاگو

حاجی علی بخش چک نمبر ۱۸۸/R.B نلے والا

براستہ چک جھمرہ۔ ضلع لائل پور

مضامین اخبار خواتین جو رسالۂ ہذا کے وجود میں آنے کے موجب ہیں وہ شاید سنڈے "مشرق" میں بھی شائع ہوئے ہیں۔ ملک میں اُن کا نہایت خراب اثر پڑا اور اس سلسلہ میں زبانی اور تحریری پیغامات جو آفتاب صاحب کو موصول ہوئے۔ دل تو چاہتا ہے کہ وہ جوں کے توں رسالۂ ہذا میں شائع کر دیئے جائیں، لیکن اندیشہ ہے کہ تنگئ ظرف حسودان کا تحمل نہ کریگی۔ اور انھیں پہلے سے زیادہ شر و فساد پر آمادہ کر دے گی۔ لہٰذا ہم صرف ایک خط کے (جو لاہور سے آیا ہے) صرف چند جملے نقل کرنے پر اکتفا کرتے ہیں جو اس قسم کے تمام پیغامات کا تقریباً خلاصہ ہیں۔

یہ خط ایک نہایت قابل اور ذی عزت خاتون کا ہے جو علامہ سے اور اُن کے خاندانی حالات سے من کل الوجوہ واقفیت رکھتی ہیں اور حضرت علامہ اقبال سے قرابت بھی رکھتی ہیں وہ بیگم آفتاب اقبال کو تحریر فرماتی ہیں:

پیاری بھابھی جان!

السلام علیکم!

"اقبال ڈے" کے متعلق میٹنگ وغیرہ کا کیا بنا۔ مجھے بھلا کیوں دلچسپی نہ ہوگی۔

"ہمارا تو غلط سلط چیزیں پڑھ کر یہاں خون کھولتا

رہتا ہے۔ یہ عبدالسلام خورشید کون .... آدمی ہے۔ جاوید
اور اعجاز کا .... ہے۔ ہمیشہ اشتہاری انداز میں ان لوگوں
کو اُوپر چڑھانے کی کوشش کرتا رہتا ہے اور اماں مرحومہ
کے متعلق بیہودہ باتیں لکھتا رہتا ہے۔ سنڈے "مشرق" شاید
۲۱ر اپریل یا مئی کے شروع کا کوئی دیکھئے۔ اس میں "افکار و
حوادث" کے عنوان سے بالکل فضول طریقے سے اماں کو غلط
انداز میں پیش کرنے کی کوشش کی ہے۔ اور اُن لوگوں
کے حق میں بکواس کی ہے۔ میرے پاس وہ سنڈے "مشرق"
نہیں ورنہ آپ کو اس کا ٹکڑا بھیجتی۔ اول تو آپ خود
مشرق منگواتی ہیں، آپ نے پڑھ ہی لیا ہوگا۔ ایسے شخص
کی گوشمالی اشد ضروری ہے۔ خدا ایسے جھوٹوں کو غارت
کرے، آپ بھی اپنا صحیح مقام حاصل کرنے کے لئے ضرور کوشش
کیجئے۔ پروپیگنڈا بڑی طاقت ہے اور یہ لوگ اس ہتھیار
سے غلط فائدہ اٹھا رہے ہیں۔"

آپ کی

....

دو غلط فہمیوں کا ازالہ

اول یہ کہ اس کتاب کا موضوع کہ علامہ اقبال بحیثیت شوہر کیسے تھے؟ یہ ہرگز نہیں ہے بلکہ صرف یہ بتانا ہے کہ حضرت علامہ نے اپنی پہلی بیوی محترمہ کریم بی بی صاحبہ کے ساتھ (یکے بعد دیگرے دو اور شادیاں کرنے کے بعد) جو سلوک ارادتاً یا سہواً روا رکھا اس کا باعث اس بیوی اور اس کی اولاد کی کوئی غلطی یا کوئی عیب یا کوئی کمی نہ تھی۔ بلکہ یہ خود ان کی بشریت کا تقاضا تھا یا ان کے گرد و پیش کے لوگوں کی سازش! ان شادیوں سے پہلے اس معصوم بیوی اور اس کی معصوم اولاد کو جو دکھ پہنچے اس کی ذمہ داری براہ راست شیخ عطا محمد برادر حضرت علامہ پر ہے۔ جہاں تک حضرت علامہ کا تعلق ہے، اس دور میں ان کا برتاؤ اپنے اہل وعیال کے ساتھ نہایت محبانہ، شفقانہ اور شریفانہ تھا اور ہر قسم کی کوتاہی اور حق تلفی سے مبرا و منزہ تھا۔ عطا محمد صاحب کی شخصیت حضرت علامہ کی زندگی کے ساتھ ان کے اصول و کردار پر بھی اثر انداز رہی ہے۔ اس ضمن میں پہلے بھی عرض کیا جا چکا ہے ایک واقعہ مزید ہدیۂ ناظرین ہے۔

سابق چیف جسٹس سر شادی لال جو یورپ میں حضرت علامہ کے عہد طالب علمی میں ان کے ساتھی تھے، مسلمانوں کی حق تلفی، نقصان رسانی، اور اسلام دشمنی میں مشہور تھے حضرت علامہ کے ساتھ بھی ان کو خلوص نہ تھا اور علامہ بھی انھیں اچھی نظر سے نہیں دیکھتے تھے، لیکن مسٹر عطا محمد کے اصرار پر اپنے اصول اور ضمیر کے خلاف انھیں ایسے شخص کی طرف رجوع ہونا پڑا اور عطا محمد صاحب کے بڑے صاحبزادہ کے لئے سفارش کرنی پڑی۔ عطا محمد صاحب کے بڑے صاحبزادہ کو حضرت علامہ کی سفارش پر ہی سر شادی لال نے سب جج مقرر کیا تھا۔

علامہ کا اصول تھا کہ وہ کسی سے دشمنی اور کسی سے محبت نہیں کیا کرتے تھے۔ انھوں نے اپنے ایک خط میں اپنے ایک عزیز کو تحریر فرمایا تھا کہ

I N DIVIDUAL LOVES AND AVERSIONS

I DONOT- POSESS

لیکن اپنی بیویوں اور اولاد کے معاملہ میں وہ اپنے اس اصول پر کس قدر کاربند رہ سکے، اللہ ہی جانے۔

حضرت علامہ اپنے محبوب دوست جناب راس مسعود کو ایک خط میں لکھتے ہیں: "شادی کا بنیادی مقصد صالح توانا اور خوش شکل اولاد پیدا کرنا ہے اور رومان کا اس میں دخل نہ ہونا چاہیئے"۔ کیا یہ بنیادی مقصد حضرت علامہ کو ان کی پہلی شادی سے حاصل نہیں

ہوگیا تھا؟ اسی کتاب میں ان کے دو بچوں کے فوٹو موجود ہیں، یہ اس وقت کے فوٹو ہیں جبکہ علامہ نے دوسری یا تیسری شادی نہ کی تھی۔ پھر حضرت علامہ نے اور شادیاں کیوں کیں؟ اگر اس عمل میں کسی دوسرے کی سازش اور خود غرضی کا دخل نہیں ہے تو شاید جوشِ جنوں کی یہ کار فرمائی ہوگی جیسا کہ خود ارشاد فرماتے ہیں۔

ع عالم جوش جنوں میں ہے روا کیا کیا کچھ

لیکن یہ کوئی شخص بھی ثابت نہیں کرسکتا کہ بیوی میں کوئی عیب تھا یا اس کی اولاد صالح و توانا نہ تھی۔

بہرحال حضرت علامہ کی یہ روش صحیح تھی یا غلط اس کا اثر یا تو خود ان کی نیکنامی پر پڑا ہے یا ان کے اہل وعیال پر۔ ابنائے قوم میں سے کسی فرد بشر کا نہ اُنھوں نے حق مارا نہ کسی کو نقصان یا دکھ پہنچایا نہ اُنھوں نے کوئی قومی گناہ کیا۔ ان کے جن اہل وعیال کو ان سے شکایت ہوسکتی تھی، اُنھوں نے نہ کبھی اُن سے گلہ کیا نہ اُن کے ادب و احترام میں کبھی کمی کی نہ اپنے کسی حق کا ان کے حین حیات اور بعد وفات مطالبہ کیا۔ اس کتاب میں بھی کسی حق کا مطالبہ نہیں کیا گیا ہے۔ بلکہ ان کی معصومیت اور بیگناہی کو ثابت کیا ہے۔ جو بیوی ہمیشہ راضی بہ رضائے شوہر رہی اور اس کے نام پر صبر و شکر کے ساتھ بیٹھی رہی۔ اس پر دوسری بیویوں کی بڑائی ثابت کرنے کے لئے عام رفیقۂ حیات وایذادہی

کا الزام لگانا کہاں کا انصاف ہے۔ یہ الزام جس آدمی نے لگایا ہے
ہم نے اس کی تردید کی ہے اور جو کچھ بھی اس سلسلہ میں ہماری
قلم سے نکلا ہے محض مدافعانہ ہے اور اس کا ذمہ دار صرف وہی
آدمی ہے جس نے اس فضول، بے معنی، ناخوشگوار اور دل آزار
بحث کا آغاز کیا ہے۔

دوم یہ کہ ہماری تحریر کے کسی حصہ سے جس کا جز جز جواب ہے
کسی سوال کا، جیسا کہ ہم نے ابھی کہا یہ غلط فہمی ہرگز نہ ہونی چاہئے
کہ حضرت علامہ کی گوناگوں صفات اور خدمات کے بارے میں ہماری
عقیدت میں کچھ فرق ہے اور ہم اس عظیم انسان کی شان میں گستاخی
کا جرمِ عظیم کرنا چاہتے۔ حاشا وکلا یہ جرات بے جا ہم ہرگز نہیں کرسکتے۔

ع یہ تاب یہ مجال یہ طاقت نہیں ہمیں

ہماری عقیدت ہمارے نزدیک اس درویش خدامست کی
زندگی بڑی ہی شاندار ہے، اس کے شایانِ شان القاب کے
لئے ہماری قلم اپنی کوتاہی کا اعتراف کرتی ہے، زبان اپنے
قصورِ بیان سے شرمسار ہے۔ علم اس کی لونڈی، فلسفہ اس کا
فکرِ طفلی۔ شاعری اس کا مذاقِ طبعی نہیں اعجاز تھا، کرامت تھی،
علم وفن میں وہ بلندی کے اس آسمان پر ہے جہاں تخیل کی پرواز
بھی عاجز و درماندہ ہے۔ اس کا علم کسبی تھا۔ اس کا علم وہبی تھا یہ
سب کچھ کہنے کے بعد بھی اس جامع شخصیت اس کمال انسانیت

کی تعریف کما حقہ ہرگز نہیں ہوئی وہ درویش خدامست تھا، زاہد شب زندہ دار تھا بلکہ اس کی شان اس سے بھی بہت بلند ہے۔ یہ سب کچھ، جو کچھ کہا اس کے لئے کم ہے اور بہت کم ہے۔ وہ سراپا علم تھا، وہ سراپا عمل تھا۔ وہ سراسر مستی تھا وہ مجسم سوز تھا، وہ عاشق نہ تھا عشق حقیقی کی ایک محسوس صورت تھا وہ عاشقی و سرمستی کی مورت تھا۔ ہم اسے معبود نہیں سمجھتے، اسے سجدہ نہیں کرتے، ہم اسے معصوم نہیں سمجھتے اسے بشریت سے خالی نہیں مانتے، لیکن اسے دل میں بساتے ہیں، آنکھوں پہ بٹھاتے ہیں۔ وہ دانائے راز تھا وہ کاشف اسرار تھا، وہ انسانیت کے لئے حقیقت کا مبلغ تھا وہ مسلم قوم کا ناخدا تھا۔

تعجب ہے کہ ابنائے قوم میں ایسے لوگ بھی موجود ہیں جو آج اس محسنِ اعظم کی بیویوں کو گن رہے ہیں، بیویوں میں اچھائی برائی تلاش کر رہے ہیں کسی بیوی کو اچھا بتا رہے ہیں کسی کو برا۔ ان کوتاہ بینوں میں کسی کو اس کی بڑی مونچھوں پر اعتراض ہے کسی کو ڈاڑھی منڈانے کا شکوہ، کوئی اس پر مے نوشی کا اور رنگ رلیوں کا الزام لگاتا ہے، کوئی ان سے پوچھنے والا نہیں کہ بیویوں کی بحث چھیڑنے یا اس بزرگ عظیم کی ذات میں عیب چننے سے تمہیں یا کسی کو کیا فائدہ ہوگا۔ آہ ان لوگوں نے اس کی علمی فضیلت۔ باطنی تقدس، روح

کی بالیدگی پر نظر نہ کی۔ اس کے جوش ایمانی عظمت کردار و گفتار کی سبق آفرینی پر غور نہ کیا۔ وہ جواہر ریزے جو اس نے صفحات قرطاس پر لٹائے ان کی قدر نہ جانی وہ خون دل و جگر، جو اصلاح قوم کے لئے اس نے اپنے شعروں میں بھرا، اس کا احسان نہ مانا نہ ان لوگوں نے اقبال کے مقام کو جانا نہ اس کے پیام پر کان دھرے نہ اس کی پاک زندگی کے نصب العین کو پہچانا۔ شریف اور ذی علم لوگوں کا دستور رہا ہے کہ اگر کسی کی ذات میں سو برائیوں کے ساتھ کوئی خوبی دکھائی دیتی ہے تو وہ برائیاں نظر انداز کر دیتے ہیں اور اس خوبی کو سراہتے ہیں، لیکن یہ حضرات مذکورین اس کے برعکس اصول رکھتے ہیں۔ اقبال کی بے پناہ خوبیوں کو یہ نظر انداز کر کے اس کے خانگی اور ذاتی ناگفتہ بہ معاملہ کو بذریعہ اخبارات قوم کے سامنے لانا اپنی فرض شناسی اور قابلیت کی دلیل جانتے ہیں۔ خدا ہمیں، اور انھیں، جہالت و فضول گوئی کے عیب سے بچائے۔ آمین۔

بیا بہ مجلس اقبال ویک دو ساغر کش
اگرچہ سر نہ تراشد قلندری داند

حرفے درشان علامہ اقبال

کبھی خدا نے توفیق دی تو ہم اقبال کی سیرت اور کارناموں پر ضرور سیر حاصل روشنی ڈالیں گے۔ یہ مختصر کتاب اس کی گنجائش نہیں رکھتی، لیکن ہمارا دل ہمیں مجبور کر رہا ہے کہ سطور چند اقبال کی انفرادیت پر ضرور معرض تحریر میں لائیں، تا کہ ناظرین کرام اقبال کے متعلق ہماری عقیدت کا اندازہ کرنے میں غلطی نہ کر سکیں۔

کوئی قوم جب کسی ملک پر قبضہ کرتی ہے تو پہلے اس کو تہس نہس کرتی ہے اور اس کے معزز لوگوں کو خصوصاً ان کو جن سے وہ حکومت چھینتی ہے ذلیل و خوار کرنے کی کوششیں کرتی ہے تاکہ اس ملک پر اس کی حکومت لازوال ہو جائے۔

اپنی حکومت کو زوال سے بچانے کے لئے فرعون نے قتل عام کیا تھا، لیکن انگریز نے جس طرح چالبازیوں سے مسلمانوں سے حکومت چھینی تھی اسی طرح اس نے اس کو مضبوط کرنے کے لئے پھانسیوں اور سولیوں کے ذریعے ہزاروں لاکھوں

کو فنا کے گھاٹ اتار کر مسلمانوں کے قابل، با اثر، دماغ دار لوگوں کو خریدا اور ان کے ہاتھوں سے اسکولوں اور کالجوں کی بنیاد ڈلوائی اور سابقہ حکومت کی دفتری زبان بدل کر اپنی قومی و مادری زبان اپنے محکوموں کو پڑھانی شروع کی۔

جس طرح قومیں منزلِ ترقی تک پہنچنے کے لئے سخت جد وجہد اور کدو کاوش سے کام لیتی ہیں اسی طرح ترقی یافتہ قومیں اپنی محکوم قوموں کو قعرِ تنزل تک پہنچانے کے لئے طرح طرح کے عیارانہ منصوبوں کو جامۂ عمل پہناتی ہیں جب کہیں جاکر وہ قومیں تنزل سے آشنا ہوتی ہیں۔ پلک جھپکتے میں نہ کوئی قوم ترقی کرتی ہے اور نہ تنزل ہوتی ہے، دیر لگتی ہے ترقی میں بھی اور تنزل میں بھی۔

انیسویں صدی کے اواخر اور بیسویں صدی کے آغاز میں دفتری زبان فارسی کی بجائے انگریزی ہوچکی تھی، فارسی یعنے دفتری زبان کے فوری استیصال اور خاتمہ کے لئے اُردو کی طرف بھی قوم کو حکمراں قوم نے لگالیا تھا۔ مختصر یہ کہ زبان کے بدلنے سے دل بھی بدل چکے تھے اور تنزل پذیر قوم تنزل سے بخوبی ہمکنار ہوچکی تھی اور اب وہ اپنی تہذیب اپنے تمدّن اپنے دین دھرم سے نفرت کرنے لگی تھی اور وہ عالمان دین جن کے ہاتھوں سے کالجوں کی تعمیر ہوئی تھی اب اُن کی نسلیں،

علمائے دین کی بجائے بیرسٹر اور وکیل پیدا کر رہی تھیں اور وہ بزرگ جن کی ڈاڑھیاں اپنے طول وعرض میں شرعی حدود کی تکمیل میں مبالغہ کرتی تھیں پھر اُن کے ہاں کوئی ڈاڑھی والا پیدا نہیں ہوا اور آج تک پیدا نہیں ہوا۔ یقین نہ آئے تو سرسید کی تصویر کو ان کے بیٹے، پوتوں کی تصویر سے مولانا حالی کی تصویر سے ان کے پس ماندگان کی تصویروں کو محسن الملک سے ان کی اولاد میں اگر کوئی ہو تو ملا کر دیکھ لیجئے۔

شیخ نور محمد اور اقبال کی مثال اس لئے ہم نہیں دیتے کہ شیخ صاحب نہ عالم دین تھے نہ انھوں نے کالج یا اسکول کی تعمیر میں حکومت کا ہاتھ بٹایا تھا۔ حضرات ڈاڑھی تو ایک محسوس و مرئی چیز ہے جس کا ذکر کیا گیا ورنہ جس طرح چہرہ سے ڈاڑھی صاف ہوئی تھی اسی طرح مذہبی تعلیم اور مذہب سے انس مسلمانوں کے دل و دماغ سے کافور ہو چکا تھا اور ہوتا جا رہا تھا اور اس وقت حکمران قوم کی عین مرضی و منشا کے مطابق خانہ کعبہ کی محبت کی بجائے مسلمان قوم کے دل و دماغ کی گذرگاہیں لندن، انگلینڈ کی چاہت اور نور و سرور سے شاد آباد ہو رہی تھیں۔

قوم کا ... ذہین، اور شریف طبقہ مذہبی تعلیم کو پست خیالی اور فلاکت کا موجب سمجھ کر گریزاں تھا اور انگریزی

تعلیم کے لئے اس طرح جمع ہو رہا تھا، جیسے گڑھ پر مکھیاں اور چیونٹیاں اکٹھی ہو جاتی ہیں۔ ایک ریس تھی جو ماہی مراتب کے حصول کے لئے اس طبقہ میں جاری تھی، کوئی تحصیلدار بننا چاہتا تھا کوئی کلکٹر کوئی وکیل کوئی بیرسٹر کوئی خان بہادر کوئی سر کوئی اسٹار آف انڈیا کوئی او، بی، ای۔

مذہبی تعلیم کے حاصل کرنے والوں کی اکثریت یا بے دماغ لوگوں پر مشتمل تھی یا بدنسلوں دھنیے جلاہوں اور حجاموں پر، شریف، ذہین، عزت دار اور دماغ دار لوگ شواذ کا درجہ رکھتے تھے گویا نہ ہونے کے برابر تھے۔ پھر یہ آخر الذکر طبقہ بھی دو قسموں میں بٹ گیا تھا۔ اس میں جو زہد و تقویٰ رکھتے تھے خلقت سے گریزاں تھے۔ گوشۂ خلوت میں روپوش تھے۔ ذہین و عالم ہونے کے باوجود خواہشات دنیا سے جن کے دل مغلوب تھے وہ بھی انگریز کے ہاتھ سودا کر چکے تھے۔ مولوی نذیر احمد ڈپٹی بنے اور اجرت یہ ادا کی کہ آیات جہاد کے معانی صرف مدافعت تک محدود کر دیئے اور سود کو جائز کر دیا۔ غلام احمد نے دعوائے نبوت کر کے نہ صرف روح جہاد کو پامال کیا بلکہ تمام مذہبِ اسلام کی اصلی صورت مسخ کرنے کی کوشش کی۔ مولوی نورالدین جیسوں نے میرزا کی تائید کی بعض ان میں ایسے لوگ بھی پیدا ہوئے جنھوں نے قرآن کریم کی تفسیر اپنی

ذاتی رائے کے ماتحت کی احادیث جو مفسر قرآن ہیں، ان کی صحت کا انکار کیا۔ تقلید ائمۂ فقہا تو ان کے نزدیک بالکل ہی لایعنی چیز ہے۔

اول الذکر طبقہ نے مذہب کو اپنی طرح ذلیل کیا، جن لوگوں نے حکومت کی خوشنودی کے لئے حکومت کی سرپرستی واعانت سے کالج کی بنیاد ڈالی، انھوں نے ایک طرف تو حکومت کی بنیاد کو اور اپنی قوم کی غلامی کی زنجیروں کو مضبوط کیا، دوسری طرف اپنے آقاؤں کو خوش سے خوشتر کرنے اور زیادہ سے زیادہ اُن کا معتمد علیہ اپنے آپ کو ثابت کرنے کے لئے قرآن کریم پر طرح طرح کے اعتراضات کئے احادیث کو غیر ضروری غیر معتبر قرار دیا۔ ملائکہ واجنہ کے وجود کو تسلیم کرنے سے انکار کیا۔ حقیقت روح پر اپنے ذاتی خیال کے ماتحت خامہ فرسائی کی۔ بڑے بڑے علماء و فضلاء کے مضامین کی تردید کی...... جن میں امام غزالی جیسے بحر العلوم بھی شامل ہیں۔ جس کا نتیجہ یہ نکلا کہ انگریزی داں طبقہ میں مذہب اور تعلیم مذہب کی طرف سے نہ صرف بُعد پیدا ہوا بلکہ الحاد و زندقہ نے مذہب کی جگہ لے لی۔ مذہب کا نام باقی رہ گیا نہ اس کی عزّت باقی رہی نہ اس پر عمل ضروری رہا ان حالات میں ایک ایسی قوم ہندوستان پیدا کر رہا تھا جس کا دل، دماغ، رہن سہن۔

سب مغرب کے سانچہ میں ڈھل چکا تھا۔ صورتاً وہ عیسائی معلوم ہوتی تھی، بہ باطن لادین۔ نام کی مسلمان، اپنے ابنائے جنس سے، ابنائے ملک سے، علمائے مذہب سے اس کو نفرت تھی۔ غیر سے، دشمن دین و ایمان، دشمن ملک و قوم دشمن عزّت و آبرو انگریز سے اسے دلی محبت تھی۔

اس مایوسی کے عالم میں، قوم کی اس زبوں حالی اور بداقبالی کے دور میں، اللہ عزّوجل نے اقبال کو اپنی توفیق خاص سے نوازا، جس نے پہلا زبردست کام یہ کیا کہ اصل دشمن کے چہرہ سے جو ساری برائیوں کی جڑ تھا نقاب نوچ ڈالی اور اپنی کوثر سے دُھلی ہوئی شیریں اور مقبول زبان میں دلی سوز اور بڑی بے باکی کے ساتھ اپنی قوم کو مخاطب کیا ؎

دانی از افرنگ و از کار فرنگ — تا کجا در قید زنار فرنگ
آں جہاں بانے کہ ہم سوداگر ست — بر زبانش خیر و اندر دل شر است
بے نیاز از کارگاہِ او گذر — در زمستاں پوستینِ او مخر
بوریائے خود بقالینش مدہ — بیذق خود را بفرزینش مدہ
آنچہ از خاک تو رست اے مرد حر — آں فروش و آں بپوش و آں بخور

مطلب: "مسلمان کیا تو فرنگی کی اصلیت اور اس کے (سیاہ) کارناموں کو جانتا ہے؟ آخر کب تک تو فرنگی کی قید زنار میں مقید رہے گا۔ یہ حکمراں بھی ہے سوداگر بھی ہے،

اس کی زبان پر خیر ہے دل کے اندر شر۔ اس کے کارخانوں کو
مت دیکھ جاڑوں میں (اگر تجھے پوستین کی ضرورت پڑے تو)
اس کی پوستین (کبھی) نہ خرید۔ اپنا بوریا اس کے قالین کے
بدلے نہ دے اپنے پیادہ کا اس کے فرزین سے تبادلہ نہ کر۔
جو کچھ تجھے تیری خاک (وطن) سے ہاتھ لگے اسے آزاد مرد
وہی بیچ، وہی پہن، وہی کھا۔"

پھر سمجھایا ؎

شیوہ تہذیب نو آدم دری است — پردۂ آدم دری سوداگری است
تا تہ و بالا نہ گردد ایں نظام — دانش و تہذیب و دیں سودائے خام

"نئی تہذیب کا خاصہ ابن آدم کو چیرنا پھاڑنا ہے اس
درندگی پر سوداگری کا پردہ پڑا ہوا ہے جب تک یہ (جھوٹی سوداگری
اور دراصل درندگی والا) نظام تہ و بالا نہ ہوگا۔ سمجھ، تہذیب، دین و
مذہب سب بے سود اور پاگل پن ہے۔"

پھر فرمایا ؎

آدمیت زار نالید از فرنگ — زندگی ہنگامہ برچید از فرنگ

"آدمیت فرنگیوں (کی چالاکیوں) سے عاجز آچکی
ہے۔ زندگی فرنگیوں (کے ظلم و ستم اور شاعرانہ چالوں اور شر و
فساد) سے بچ اٹھی ہے (نیکی اور امن و سکون سے محروم و
مایوس ہو چکی ہے)۔

پھر بتایا ؎

یورپ از شمشیرِ خود بسمل فتاد
زیرِ گردوں رسمِ لادینی نہاد
دانشِ افرنگیاں تیغے بدوش
در ہلاکِ نوعِ انساں سخت کوش
شرعِ یوروپ بے نزاعِ قیل و قال
برّہ را کردست بر گرگاں حلال

"(میری بصیرت بتا رہی ہے کہ) یورپ خود اپنی شمشیر سے بسمل پڑا ہوا ہے اس (بدنہاد) نے (روئے زمین پر) زیرِ فلک لامذہبیت کی بنیاد ڈالی ہے، فرنگیوں کی دانش (و حکمت) کندھے پر تلوار رکھ کر نوعِ انسان کی ہلاکت (و بربادی) میں سخت کوشاں ہے، یورپ کی شریعت نے (ہر) بکرے کو (ہر) بھیڑیئے کے لئے حلال (و مباح) کر دیا ہے"!

(اس لئے ہدایت فرماتے ہیں) ؎

اے اسیرِ رنگ، پاک از رنگ شو
مومنِ خود، کافرِ افرنگ شو
از شریعت احسن التقویم شو
وارثِ ایمانِ ابراہیم شو

"اے (ظاہری) رنگ (و بو) کے اسیر (اگر اپنی

بقا چاہتا ہے تو) اس قید سے آزاد ہو، اپنے (دین) پر ایمان لا، فرنگی (کی تہذیب و دانش کی افادیت و صداقت) کا منکر بن جا، از رہ شریعت بہترین راہ عمل اختیار کر (یعنے) وارثِ ایمانِ ابراہیم (اور پابند دینِ اسلام) بن"۔

اس دور میں جبکہ فرنگی کی سلطنت کے حدود میں سورج غروب نہیں ہوتا تھا۔ اس دور میں جبکہ سرسید جیسے ذی نسب قابل، عالی دماغ لوگوں کی دماغیت پوری قوم کو اسیرِ دامِ فرنگ بنانے کے لئے اپنے تمام وسائل کو کام میں لاکر اور اپنے قابل ساتھیوں کی تائید حاصل کرکے کامیاب وکامراں ہوچکی تھی۔ فرنگی کے خلاف اس قدر دلیری کے ساتھ یہ اعلائے کلمۃ الحق کرنا صرف اقبال جیسے مردِ خدا اور اللہ کے ولی کا ہی کام ہوسکتا تھا۔

لوگ چاہے بُرا مانیں یا بھلا، لیکن یہ حقیقت ہے جس کا از روئے واقعات انکار نہیں کیا جاسکتا کہ اقبال سے پہلے بہت سے بااثر حضرات نے مسلمان کو مذہب اسلام سے، اپنی تہذیب و ثقافت سے بیگانہ کردیا تھا۔ نفع عاجل کا لالچ دلاکر نفع دائم سے محروم کردیا تھا۔ اقبال نے اس غلطی کی اصلاح کی اور بلاخوف لومۃ لائم اسی فارسی زبان میں نعرۂ حق بلند کیا جسے حکمراں قوم نے دفتروں

سے نہیں دلوں سے اور دماغوں سے نکال پھینکا تھا، اسی فارسی زبان ہیں جس میں قرآن کریم کے تراجم، احادیث کی شرحیں، مسائل فقہیہ کا ذخیرہ، اور علوم دین کا خزانہ موجود تھا اور جو اس کی اپنی حکومت کی دفتری زبان تھی۔ یہ بھی ایک لطیف اشارہ تھا قوم کو اپنی اصل ..... کی طرف لوٹنے کے لئے۔

دردمند قوم مولٰنا حالی نے مسدس لکھا۔ گویا قوم کی زبوں حالی کا مرثیہ لکھا، بڑی خوبی ہے بڑی تاثیر ہے اس مرثیہ میں۔ سرسید نے اس کے بارے میں یہ کہہ کر صحیح داد دی کہ میدانِ محشر میں داورِ محشر جب پوچھے گا کہ کیا لائے تو کہدوں گا، "حالی سے مسدس لکھوالایا ہوں"، لیکن میں پوچھوں گا کہ قوم پر اس کا اثر کیا ہوا، اپنی بدحالی کی داستان پڑھ کر اس کا حوصلہ بڑھا یا قوم اپنے ترقی وعروج سے مایوس ہوگئی اور اس کا حوصلہ پست ہوکر رہ گیا۔

اس کے برعکس علامہ اقبالؔ نے قوم کا قصیدہ لکھا اور یہ کہہ کر اپنی پژمردہ قوم کو جھنجوڑا اور اس کے حوصلہ کی لیستی کو بلندی سے بدل ڈالا: ؎

کھول آنکھ زمین دیکھ فلک دیکھ فضا دیکھ
مشرق سے ابھرتے ہوئے سورج کو ذرا دیکھ

بے تاب نہ ہو معرکۂ بیم ورجا دیکھ

ہیں تیرے تصرف میں یہ بادل یہ گھٹائیں
یہ گنبدِ افلاک یہ خاموش فضائیں
یہ کوہ یہ صحرا یہ سمندر یہ ہوائیں
تھیں پیش نظر کل تو فرشتوں کی ادائیں
آئینۂ ایام میں آج اپنی ادا دیکھ

سمجھے گا زمانہ تری آنکھوں کے اشارے
دیکھیں گے تجھے دُور سے گردوں کے ستارے
ناپید ترے بحرِ تخیل کے کنارے
پہنچیں گے فلک تک تری آہوں کے شرارے
تعمیرِ خودی کر اثرِ آہِ رسا دیکھ

اے پیکرِ گِل کوششِ پیہم کی جزا دیکھ

حاصل کلام یہ کہ علامہ اقبال، کفر و الحاد کے اس دور میں فلسفۂ مغرب میں دستگاہ کامل رکھنے کے باوجود سچے خدا پرست تھے اور اپنے عقیدہ کی صحت و ثبات میں بہ اعتبار شریعت و طریقت ان کا مقام بہت بلند تھا۔ اس خطرناک تاریکی کے دور میں راہ و منزل کی حقیقت سے آشنا خدا کے کسی بندہ کا ہونا خدا کی خاص توفیق پر ہی موقوف ہے۔ انھوں نے بجا طور پر فخر کیا ہے ؎

اندریں عصرے کہ لا گفت من الا گفتم — اینچنیں بندۂ رہ بیں بہ شبِ تار کجاست

وہ نہ صرف عقیدت کی دولت سے مالا مال تھے بلکہ اللہ تعالیٰ
نے انھیں تبلیغ صداقت کے لئے مجاہدانہ جرات بھی عطا
کی تھی۔ ہمارے نزدیک وہ اپنے وقت کے رومی تھے،
اپنے زمانہ کے غزالی تھے۔ ان کا دلی اخلاص اور سرور
کون و مکاں محمد صلی اللہ علیہ وسلم سے ان کا عشق حضرت
صدیق اکبر رض کے جوشش عشق اور اخلاص کا یقین دلاتا ہے۔
اعلائے کلمۃ الحق میں ان کی جرات و لبسالت حضرت فاروق
اعظم رض کی یاد دہانی کرتی ہے۔ ان کا علمی تبحر اور فقر انھیں
حضرت مولیٰ علی کا سچا فدائی ثابت کرتا ہے۔ وہ منفرد تھے
اپنے سے دس بیس برس پہلے کے لوگوں میں بھی، اپنے
زمانہ کے لوگوں میں بھی، اور زمانہ آج تک بھی دوسرا اقبال
پیدا نہیں کرسکا۔ آئندہ کا حال خدا جانے۔ ان کی تعلیم مسلمانوں
کے لئے عموماً اور انگریزی داں طبقہ کے لئے خاص طور پر
واجب العمل اور واجب القبول ہے قوم کی حالت زار پر
انھوں نے اس قدر آنسو بہائے کہ وہ بینائی سے معذور
ہوگئے۔ اپنی قوم کے غفلت شعاروں کو سنانے کے لئے وہ
اتنی اونچی آواز سے بولے کہ ان کا سینہ و گلو دونوں
ماؤف ہوگئے۔ ان کا دل قوم کے درد میں اتنا تڑپا کہ
اپنی حرکت اور قوت سے ہمیشہ کے لئے محروم ہوگیا۔ کاش

ایزد اقدس و برتر ہمیں اس عظیم انسان کی جہد مسلسل و مبارک سے اور بے مثل قربانیوں سے مستفید و مستفیض ہونے کی توفیق ارزانی فرمائے تاکہ ان کی مقدس روح کو چین آئے۔ وہ شہید درد قوم ہیں۔ وہ زندۂ جاوید ہیں، اُن کا پیغام زندہ رہے گا ؎

ہرگز نمیرد آنکہ دلش زندہ شد بہ عشق
ثبت است بر جریدۂ عالم دوامِ آں
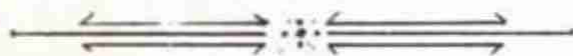
خاتمۂ کلام

وہ لوگ جو کتاب ہذا کے بعض حصوں سے اپنی دل آزاری محسوس کریں، ان کو مطلع ہونا چاہئے کہ کتاب ہذا "اخبار خواتین" کے ان دو مضمونوں کی وجہ سے وجود میں آئی ہے۔ جن میں والدۂ آفتاب اقبال کی پوزیشن گرانے کی اور آفتاب اقبال کی دل آزاری کی کوشش کی گئی ہے۔ حضرت علامہ اقبال کی زندگی کا ایک ناگفتہ بہ واقعہ تھا جس کا آغاز ۱۹۱۳ء میں ہوا اور ۱۹۳۵ء میں اس کا ڈراپ سین ہوا۔ اور ۱۹۳۸ء میں وہ ہستی ہی نہ رہی جس کا تعلق اس واقعہ سے تھا۔ والدۂ آفتاب اقبال نے اور ان کے والدین اور ان کے دیگر معزز رشتہ داروں نے نیز خود حضرت علامہ اقبال کے والدین نے علامہ اقبال کی اس دوسری شادی کو جو ۱۹۱۳ء میں اور اس کے بعد تیسری شادی وجود میں آئی ہرگز پسندیدگی کی نظر سے نہیں دیکھا۔ علامہ کے والدین نے اس کا اظہار بھی اپنے بیٹے سے کیا ہوگا۔ لیکن صابر و شاکر والدۂ آفتاب اقبال نے کبھی حرفِ شکایت زبان سے ادا نہیں کیا اور نہ ان کے والدین نے زبانی یا تحریری حضرت علامہ سے یا ان کے والدین سے کوئی شکایت کی۔ دو بیویوں کی موجودگی میں حضرت علامہ نے والدۂ آفتاب اقبال کو لاہور

میں بلایا اور وہ حسب طلب حاضر ہوگئیں اور جب تک علامہ نے چاہا رہیں۔

آفتاب اقبال کے اخراجات سے علامہ اقبال دست کش ہوئے تو والدۂ آفتاب اقبال نے اپنے بیٹے کو زیادہ سے زیادہ اچھی تعلیم دلانے کے لئے تمام اخراجات خود برداشت کئے، لیکن حضرت علامہ سے نہ کبھی مطالبہ کیا نہ شکوہ۔

جب حضرت علامہ کے بڑے بھائی نے علامہ کی وفات کے بعد اپنے حقوق کے لئے قانون کا دروازہ کھٹکھٹانے کے لئے آفتاب صاحب سے اصرار کیا۔ جیسا کہ عطا محمد صاحب کے ان خطوط سے ثابت ہے جن کا چربہ پچھلے صفحات میں آپ نے ملاحظہ کیا ہوگا۔ اس وقت بھی علامہ کی اس شریف بیوی نے اپنی عالی ظرفی اور شریفانہ بلندی کا ثبوت دیا۔ او ، پنے لڑکے کو عدالتی چارہ جوئی سے یہ کہہ کر باز رکھا کہ اگر تم نے کوئی ایسا قدم اٹھایا جس میں تمہارے باپ پر کوئی حرف آئے تو میں ہرگز تم کو معاف نہ کروں گی۔

اب ۱۹۶۷ء ہے، والدۂ آفتاب اقبال کا انتقال ۱۹۴۶ء میں ہوگیا۔ جس طرح ماں نے کہا تھا سعادت مند بیٹے نے ان کی وفات کے بعد بھی اس کے حرف حرف پر عمل درآمد کیا۔ اور سوائے سکوت اور صبر کے اور کوئی روش اختیار نہ کی۔

بجائے اس کے کہ زمانہ اس ستم ظریفی پر صبر کی ان کو داد دیتا "اخبار خواتین" میں غیر ضروری، غیر مفید، اہانت انگیز اور دل خراش مضامین کا سلسلہ چھیڑ دیا گیا۔ یہ کتاب اس کا ضروری جواب ہے۔ ہم اُن لوگوں کو مطلع کئے دیتے ہیں جو اس سلسلۂ مضامین کے ذمہ دار ہیں اگر اب انھوں نے مزید قدم اٹھایا تو اس کا جواب ضرور دیا جائے گا۔۔۔۔۔ اور ان تمام حقائق پر شرح وبسط کے ساتھ روشنی ڈالی جائے گی جنھیں ہم نے ابھی تک مخفی رکھا ہے۔

والسلام علیٰ خیر ختام

ایجوکیشنل پبلشنگ ہاؤس کی مطبوعات ایک نظر میں

ادب و تنقید

کتاب	مصنف	کتاب	مصنف
تاریخ ادب اردو (آغاز سے اٹھارہویں صدی تک) (تین جلدوں پر مشتمل)	جمیل جالبی	اردو کی ظریفانہ شاعری اور اس کے نمائندے	فرمان فتحپوری
مثنوی کدم راؤ پدم راؤ	جمیل جالبی	اردو نثر کا فنی ارتقاء	فرمان فتحپوری
ارسطو سے ایلیٹ تک	جمیل جالبی	اردو شاعری کا فنی ارتقاء	فرمان فتحپوری
نئی تنقید	جمیل جالبی	اقبال سب کے لئے	فرمان فتحپوری
ادب، کلچر اور مسائل	جمیل جالبی	تاریخ ادبیات عالم (چار جلدیں)	وہاب اشرفی
محمد تقی میر	جمیل جالبی	تاریخ ادبیات عالم (جلد پنجم)	وہاب اشرفی
ایلیٹ کے مضامین	جمیل جالبی	قطب مشتری اور اس کا تنقیدی جائزہ	وہاب اشرفی
معاصر ادب	جمیل جالبی	معنی کی تلاش	وہاب اشرفی
ادبی تحقیق	جمیل جالبی	آگہی کا منظر نامہ	وہاب اشرفی
میراجی ایک مطالعہ	جمیل جالبی	راجندر سنگھ بیدی کی افسانہ نگاری	وہاب اشرفی
تنقید و تجربہ	جمیل جالبی	کاشف الحقائق	وہاب اشرفی
قومی ڈکشنری (انگلش۔اردو)	جمیل جالبی	شاد عظیم آبادی اور ان کی نثر نگاری	وہاب اشرفی
بوطیقا (تصنیف ارسطو) ترجمہ	جمیل جالبی	حرف حرف آشنا	وہاب اشرفی
ڈاکٹر جمیل جالبی ایک مطالعہ	گوہر نوشاہی	اردو فکشن اور تیسری آنکھ	وہاب اشرفی
شاہ عالم ثانی آفتاب احوال و ادبی خدمات	ڈاکٹر خاور جمیل	تفہیم البلاغت	وہاب اشرفی
ساختیات پس ساختیات اور مشرقی شعریات	گوپی چند نارنگ	ہندوستانی محاورے	محمد حسن
اردو افسانہ روایت اور مسائل	گوپی چند نارنگ	ہندوستانی شاعری	محمد حسن
گوپی چند نارنگ۔ حیات و خدمات	ڈاکٹر سید حامد علی	ہندی ادب کی تاریخ	محمد حسن
ادبی تنقید اور اسلوبیات	گوپی چند نارنگ	ترقی پسند ادب، پچاس سالہ سفر	قمر رئیس
اقبال کا فن	گوپی چند نارنگ	تعبیر و تشکیل	قمر رئیس
امیر خسرو کا ہندوی کلام	گوپی چند نارنگ	اصول تحقیق و ترتیب متن	تنویر احمد علوی
انیس شناسی	گوپی چند نارنگ	ابتدائی کلام اقبال	گیان چند جین
اسلوبیات میر	گوپی چند نارنگ	کھوج	گیان چند جین
سانحہ کربلا بطور شعری استعارہ	گوپی چند نارنگ	پرکھ اور پہچان	گیان چند جین
سفر آشنا	گوپی چند نارنگ	قاضی عبدالودود بحیثیت مرتب متن	گیان چند جین
لمحہ لمحہ زندگی	محمود واحد	اوپندر ناتھ اشک	گیان چند جین
جنوبی و شمالی ہند کی تاریخی مثنویاں	کندن لال کندن	کرشن چندر کی ناول نگاری	ڈاکٹر اعجاز علی ارشد
گھوڑے کا کرب	ہرچرن چاولہ	وہاب اشرفی شخصیت اور فن	ڈاکٹر مناظر حسن

EDUCATIONAL PUBLISHING HOUSE

3108, Vakil Street, Kucha Pandit, Lal Kuan, Delhi-6 (India)
Phones: 3216162, 3214465 Fax: 91-011-3211540
E-mail: eph@onebox.com

ISBN 81-85360-62-6